عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

غزالی

شعبان ۱۴۳۶ھ / جون ۲۰۱۵ء

Reg No. P476

جلد: سیزدھم

شمارہ: 10

فہرست

فی شمارہ : 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک : 200/- روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای میل : physiologist72@hotmail.com
saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

بیان

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم اما بعد

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں لکھا ہوا واقعہ ہے کہ ایک عالم کو جذبہ ہوا کہ آدمی کو مکمل اصلاح کے لئے بیعت ہونا چاہئے۔ اس کے لئے انھوں نے ایک دور دراز پہاڑی علاقے میں ایک بزرگ کا پتا کیا اور وہاں گئے بیعت ہونے کے لئے، عشاء کے وقت پہنچے اور ان کے پیچھے نماز پڑھی تو ساری تجوید غلط تھی ان کی۔ ان عالم نے سوچا کہ یا اللہ یہ میں کہاں پر آ گیا کہ ان کی تو تجوید ہی درست نہیں۔ خیر رات کے لئے ٹھہر گئے۔ صبح اٹھے تو آج کل کی طرح کی جگہ تو تھی نہیں کہ بیت الخلاء بنے ہوئے ہوں، قضائے حاجت کے لئے جنگل کی طرف جانا پڑتا تھا، وہ جو صبح کی نماز سے پہلے جنگل گئے تو دیکھا کہ سامنے سے شیر آرہا ہے، سوچنے لگے کہ اب کیا کریں، بیعت تو رہی ایک طرف، جان ہی جا رہی ہے، اتنے میں وہ بزرگ سامنے سے آ گئے، وہ بھی جنگل کی طرف نکلے ہوئے تھے، انھوں نے شیر سے کہا: ''ہش! بھاگو، ہمارے مہمان کو تنگ کرتے ہو۔'' شیر نے دُم دبائی اور بھاگ گیا۔ ان عالم کو بھی کچھ تسلی ہوئی کہ اگرچہ تجوید تو درست نہیں پر شیر کو بھگا دیا بزرگوں نے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتی رحمۃ اللہ علیہ کا دیگر اہلِ علم کے ساتھ واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ پہنچے، مسجدِ حرام گئے، نماز ہو چکی تھی اور ایک تُرک نماز پڑھا رہا تھا۔ تُرک 'کاف' نہیں پڑھ سکتے۔ اس نے پڑھا اِیَّاچَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاچَ نَسْتَعِیْن، نماز ختم ہوئی تو سارے بزرگوں نے نماز دھرائی پر حضرت نانوتویؒ نے نہیں دھرائی، انھوں نے کہا کہ میری نماز ہو گئی، پوچھا کیسے ہو گئی، فرمایا کہ یہ اس کا سبع احرف ہے، قرآن کو پڑھنے کی سات سے دس طریقوں سے اجازت دی گئی ہے کیونکہ سارے عرب قریش کے طرز پر نہیں پڑھ سکتے۔ دوسرے علاقوں کے لوگوں کا لہجہ اور طرز جدا تھا جسے آپ Accent اور

Dialect کہتے ہیں مثلاً ہم لوگ ''غوخہ'' کہتے جبکہ بنوں اور وزیرستان میں ''غوشہ'' کہتے ہیں، انھوں نے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم قریش کے طرز پر نہیں پڑھ سکتے تو انھیں اجازت دے دی گئی۔ آج کل بھی آپ نے کہیں نہ کہیں سنا ہوگا کہ فلاں سبع عشرہ کے قاری ہیں۔ یہ سات قرائتیں ایسی ہیں کہ چار اماموں کی ایک ایک روایت اور تین اماموں کی دو، دو تو یہ کل سات اماموں کی دس روایتیں چلتی ہیں اور اس میں مزید تفصیل بھی ہے، شاید بارہ تک ہیں کل۔ یہ قرائتیں امت نے محفوظ کی ہوئی ہیں اور اب تک پڑھتے ہیں ان کو اور سیکھتے ہیں، کیونکہ قرآن کے معانی ان قرائتوں میں بند ہیں، اس لئے اگر کوئی اعتراض کر رہا ہو تو قاری اس کو ساری قرائتوں میں سنا دے گا اور ان کا ترجمہ کر کے بتا دے گا۔ لہٰذا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز نہیں دھرائی۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (الانعام: ۱۵۲) ہر آدمی کا جتنا بس ہے اتنا اس پر حکم ہے، جو بات بس سے باہر ہوگئی وہاں شریعت نے اس کو رخصت دے دی، اس کی معذوری کو تسلیم کر لیا۔

اصل میں الفاظ معانی کے بعد باطن میں حال پیدا کرنا چاہتے ہیں، قلب میں حال پیدا کرنا چاہتے ہیں اور قالب پر نتائج پیدا کرنا چاہتے ہیں اور جب الفاظ معانی کا آخری نتیجہ قلب و قالب پر مرتب ہوتا ہے پھر بات بنتی ہے اور اہلِ تصوف کی محنت اس قلب کے حال اور قالب کے نتائج کے لئے ہے۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عرصہ تک باطن سے بدگمانی کے زائل ہونے کے لئے مجاہدہ کیا۔ بدگمانی گناہِ کبیرہ ہے اور اس سے انسان کا قلب مفت میں برباد ہوتا ہے۔ عام طور پر ہماری عادت ہوتی ہے کہ کسی کو چلتا پھرتا کوئی کام حرکت کرتا دیکھیں تو اس کے بارے میں ہمارے دل میں کوئی نہ کوئی رائے گزرتی جاتی ہے۔ اگر یہ رائے غلط ہے تو یہی تو بدگمانی ہے اور آپ مفت کا گناہ حاصل کر رہے ہیں اور دل آپ کا برباد ہو رہا ہے۔ ہمارے گاؤں میں ایک نقشبندی خانقاہ ہے، ان کے پاس میرا بیٹھنا اٹھنا ہوا ہے، وہ لوگ جب راستے پر جاتے ہیں تو سر پر کپڑا ڈال کر دونوں طرف سے نیچے کر لیتے ہیں، تانگے کے گھوڑے کی طرح، تا کہ صرف راستہ نظر

آئے، فالتو چیزیں نظر ہی نہ آئیں، ان کی طرف دھیان اور توجہ ہی نہ جائے اور ان کا خیال ہی دل میں وارد نہ ہو اور قلب ان فالتو، لایعنی چیزوں پر خیال آرائی ہی نہ کرے، تاکہ اس کی استعداد ضائع نہ ہو، وقت ضائع نہ ہو، اور اگر یہ فالتو، لایعنی اور معصیت کی چیزوں کو قلب میں لاکر چلا رہا ہے تو یہ اپنا نقصان کر رہا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے خوب مجاہدہ کیا تاکہ باطن سے بدگمانی زائل ہو جائے۔ ایک دن دریا کے کنارے جا رہے تھے، دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے، ساتھ ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے، اس مرد نے پیالہ آگے کیا، عورت نے بوتل میں سے کچھ ڈالا، اس نے پیا۔ دل میں فوراً خیال آگیا کہ اس آدمی کو دیکھو، کیسے کھلم کھلا بیٹھا ہوا عورت کو ساتھ بٹھا کر شراب پی رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی خاص تربیت فرماتا ہے، اس طرح تربیت کے لئے ظاہر ہونے والے لوگوں یا چیزوں کو لطائفِ غیبیہ کہتے ہیں، کوئی غیبی چیز آکر ان کی رہنمائی کر دیتی ہے، صورتِ مثالی بھی اسی کو کہتے ہیں، صورتِ مثالی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بھی ہوسکتی ہے، ملائکہ کی بھی ہوسکتی ہے، اولیاء اللہ و صالحین کی بھی ہوسکتی ہے، وہ خود آئے یا نا آئے، ان کی صورتِ مثالی آگئی اور رہنمائی ہوگئی۔ جب حضرت بسطامیؒ ان کے پاس سے گزرے تو وہ شاید کوئی اللہ والے آدمی تھے اُن کو اِن کی حالت کا کشف ہوگیا، اِن سے مخاطب ہوئے: "بس یہی آپ کی نیک گمانی کی مشق تھی! میرے پاس جو عورت بیٹھی ہے وہ میری والدہ صاحبہ ہیں، میں ایک مریض ہوں، مجھے حکیموں نے سیر کے لئے کھلی فضا میں نکلنے کا کہا ہوا ہے اور بوتل میں دوائی تھی جو مجھے انھوں نے پیالے میں ڈال کر دی اور میں نے پی۔" انہیں آگاہی ہوئی اور کہا کہ یا اللہ میری توبہ، اتنا مجاہدہ کیا پر اس کے بعد بھی باطن سے بدگمانی زائل نہیں ہوئی اور اس کے بارے میں نیک گمان نہ آیا۔

اگر ایک آدمی فی الحقیقت معصیت میں ہے اور آپ نے اس کے بارے میں نیک گمان کر لیا تو آپ گنہگار نہیں ہوں گے کیونکہ اس کے لئے آپ کو ثبوت کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر آپ نے

بدگمانی کرلی تو اس پر آپ گنہگار ہوئے کیونکہ اس رائے کو قائم کرنے کے لئے آپ کو ثبوت کی ضرورت ہے۔ایک آدمی آدھی رات کو مسجد جارہا ہو تہجد پڑھنے کے لئے اور دوسرا جارہا ہو چوری کرنے کے لئے اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھیں تو چور سوچتا ہے کہ تمہاری طرح یہ بھی ہمت والا آدمی ہے، اکیلے تم ہی باہمت نہیں ہو، دوسرا بھی نکلا ہے چوری کرنے، جبکہ تہجد والا سوچتا ہے کہ ایک تم ہی نہیں ہو محنت مجاہدہ کرنے کے لئے بلکہ وہ دوسرا آدمی بھی تہجد کے لئے جارہا ہے۔

ابنِ ساباط رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بھی سنا دیں آپ کو۔ ابنِ ساباط رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں، پہلے ڈاکو تھے۔ایک رات وہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ڈاکہ ڈالنے گئے تو وہ تہجد پڑھ رہے تھے، ابنِ ساباط نے اندر داخل ہوتے وقت انھیں نہیں دیکھا، جن حضرت اُٹھ کر آئے کہ دیکھیں کون ہے تو اندر والے آدمی نے سوچا کہ مجھ سے پہلے بھی ایک آدمی گھسا ہوا ہے اندر اور ہے بھی سفید ریش۔انھوں نے کہا کہ سمیٹو سمیٹو سامان، دونوں سمیٹتے رہے، سمیٹتے سمیٹے ایک بڑا گٹھڑ بنایا اور ایک ذرا چھوٹا ہو گیا، پھر جنید بغدادیؒ نے ازراہِ خدمت کہا کہ اس بڑے کو میں اٹھا لیتا ہوں، چھوٹے کو اس نے خود اٹھا لیا، جب چلے تو بڑا گٹھڑ بھاری تھا، وہ اٹھا نہیں پا رہے تھے، اس ڈاکو نے کہا کہ سامان تو اٹھا نہیں سکتے، نکلتے ہو ڈاکہ ڈالنے۔خیر اس نے بڑا گٹھڑ لیا اور سامان جہاں پہنچانا تھا پہنچا لیا اور یہ حضرت اس سے غائب ہو گئے، اس کو بڑی حیرت ہوئی کہ عجیب واقعہ ہوا کہ آدمی چوری میں میرے ساتھ شریک تھا، سامان بھی میرے ساتھ پہنچایا اور پھر غائب ہو گیا، دن کو سوچا کہ میں پھر جا کر دیکھتا ہوں کہ یہ کون سی جگہ تھی، کون سا گھر تھا، کیا تھا۔دن کو جب آیا اور اس نے پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ یہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا گھر ہے، اندر جا کر دیکھا تو وہی آدمی تھا جو رات کو اس کے ساتھ سامان سمیٹ رہا تھا وہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے آگے مرید بیٹھے ہوئے ہیں اور خوب باادب بیٹھے ہوئے ہیں، معلومات کیں تو پتا چلا کہ یہ تو مشہور بزرگ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور ان کے گھر میں نے چوری کی اور وہ خود اپنا سامان سمیٹتے رہے اور گٹھڑ باندھ کر میرے ساتھ

پہنچایا بھی اور ساتھ میری جھڑکیاں بھی سہتے رہے ہیں۔ بس وہ اسی وقت توبہ تائب ہوا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ابنِ ساباط میرے بہت کامل خلفاء میں سے ہے۔

لطائفِ غیبیہ کا یہ واقعہ مولانا حسن جان صاحبؒ نے سنایا تھا۔ دہلی میں زیادہ چرچا حدیث کا تھا، عقلی علوم کا اتنا چرچا دہلی میں نہیں تھا، اس زمانے میں عقلی علوم کا مرکز خیرآباد تھا، فضل حق خیرآبادی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مشہور ہیں، جو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں گرفتار کر کے کالا پانی کی جیل میں ڈالے گئے، جبکہ فقہ کا مرکز لکھنؤ تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خیال ہوا کہ عقلی علوم بھی پڑھنے چاہئیں، ضروری تو نہیں ہیں پر اچھے ہیں، فائدہ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں وہاں چلا گیا اور مجھے ایک سال لگا عقلی علوم مکمل کرنے میں۔ واپس آ رہا تھا، ہاتھ میں لاٹھی تھی، اسی میں بستر باندھ کر لٹکایا ہوا تھا اور لاٹھی کندھے پر رکھی ہوئی تھی، اور مجھے بڑا افسوس ہو رہا تھا کہ ایک سال عقلی علوم میں گزار دیا، منطق فلسفہ پڑھتا رہا جو کہ کوئی خاص چیز نہیں تھی، اس پر سعدی کا شعر یاد آیا:

سعدی بشوئے لوحِ دل از نقشِ غیرِ او ؎

(یعنی کہ اے سعدی اپنے دل کی تختی سے اس (اللہ) کے غیر کے نقش کو دھو ڈال)

تو کہتے ہیں کہ پہلا مصرعہ پڑھا لیکن دوسرا مجھ سے بھول گیا، سوچتا رہا سوچتا رہا کہ دوسرا مصرعہ بھی یاد آئے تو پڑھوں تاکہ لطف آئے کہ اتنے میں ایک آدمی میرے پاس سے تیزی سے گزرا اور گزرتے ہوئے کہا:

علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

(یعنی وہ علم جو حق کا راستہ نہ دکھا رہا ہو جہالت ہے)

کہتے ہیں میرا دل بڑا خوش ہوا، سوچا یہ بڑے میاں کون ہیں، آگے بڑھا اور ان سے کہا کہ رکیئے، وہ رک گئے، سوچا یہ تو کوئی اللہ والے آدمی ہیں، ان کی خدمت کرنی چاہئے، جس طرح

پٹھانوں کی خدمت یہ ہوتی ہے کہ نسوار کی چٹکی دیتے ہیں اسی طرح ہندوستان میں پان کا رواج ہے، انھوں نے پان کا ڈبہ نکالا اور پان پیش کیا کہ نوش فرمائیں، انھوں نے کہا میں پان نہیں کھاتا، حیرت ہوئی کہ پان نہیں کھاتے، پوچھا: ’’آپ ہیں کون؟‘‘ انھوں نے کہا: ’’میں شیخ سعدی ہوں‘‘ اور بس غائب ہوگئے۔ تو اس طرح لطائف غیبیہ کا ظہور اللہ والوں پر ہوتا ہے۔

عصر کے بعد ہمارا درسِ تفسیر ہوتا ہے، ایک پرانی تفسیر ہے موضح القرآن، حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی، وہ ڈاکٹر عبیداللہ صاحب پڑھتے ہیں، اس تفسیر میں اسرائیلی روایات جو قرآن و حدیث کے خلاف نہیں پڑتی وہ لی ہوئی ہیں، بہت دلچسپ کتاب ہے، باقی تفسیروں نے یہ روایات نہیں لیں ہوئیں تو انھوں نے دلچسپی کا کافی سامان چھوڑا ہوا ہے۔ واقعی اس میں بہت اعلیٰ واقعات ہیں۔ آج الیاس علیہ السلام کا واقعہ تھا اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلاً وَّ تَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِیۡنَ (الصّٰفّٰت: ۱۲۵) (کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہتر بنانے والے کو)۔ اس میں انھوں نے لکھا تھا کہ جب قوم پر عذاب آنے کو ہوا تو الیاس علیہ السلام نے اللہ سے دعا مانگی، ان سے کہا گیا کہ تو آگے جائے گا، جو چیز تیرے سامنے آئے اس پر بیٹھ جا، وہ آگے گئے تو ایک شیر یا گھوڑا تھا، اس پر بیٹھے اور وہ اُڑ گیا۔ ان کی خوراک وغیرہ کے تقاضوں کو اللہ نے ختم کر دیا جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کا ختم کیا ہوا ہے اور ان کو آسمانوں پر اُٹھا لیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہوا ہے کہ جنگلوں میں بعض اوقات جو بزرگ ملتے ہیں مختلف تکالیف کی حالت میں لوگوں سے وہ الیاس علیہ السلام ہوتے ہیں، کئی لوگوں نے اس کو بیان کیا ہوا ہے، اور یہ دونوں حضرات رمضان بیت المقدس میں گزارتے ہیں اور خاص اللہ والے ان کو دیکھ بھی لیتے ہیں۔ دوسری روایت ہے کہ عرفات کے میدان میں ملتے ہیں۔ مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسرائیلی روایات پر سکوت بہتر ہے۔ الیاس علیہ السلام کی ملاقاتوں کا بھی بعض لوگوں نے تذکرہ کیا ہوا ہے کہ وہ بھی پیش آتے ہیں۔

یہ دلچسپی کی چند باتیں ہوگئیں، مضمون یہ تھا کہ الفاظ و معانی سیکھنے کے بعد اس کی حقیقت

باطن میں پیدا ہوجائے۔ بدگمانی سے بچنے کی مشق کا تذکرہ ہوا۔ احیاء العلوم میں دس رذائل لکھے ہوئے امام غزالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے۔ ان دس رذائل کو دور کرنے کی مشق میں کم ازکم عرصہ دس مہینے آدمی کو لگانے چاہئیں۔ ایک مہینہ پورا مشق کرتا رہے ایک رذیلے پر۔ میں ایک دفعہ رائیونڈ میں تھا، وہاں ایک مقیم بزرگ ہوتے تھے بلال صاحب، اللہ کے احسان سے میرے ذاتی دوست تھے، پشاور آتے تو میرے پاس ٹھہرتے تھے۔ ان سے کئی کرامتوں کا ظہور رہا ہے۔ ایک دفعہ ہندوستان میں ایک ہندو کو دعوت دے رہے تھے، اس نے کہا کہ تو کہتا اللہ سب کچھ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے، اللہ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا تو اس پکوڑوں کی کڑاہی میں ہاتھ ڈال نا ذرا! اس نے پکوڑے تلنے کے لئے کڑاہی چڑھائی ہوئی تھی۔ پانی ابلنے کا درجہ حرارت ایک سو ڈگری سنٹی گریڈ ہوتا ہے جبکہ تیل کا دوسو ڈگری ہوتا ہے جو کہ بہت سخت گرم ہوتا ہے۔ میرے تو چونکہ دوست تھے، اس کے بعد جب پشاور آئے تو میرے پاس ہی ٹھہرے ہوئے تھے تو میں نے پوچھا: ''بلال صاحب! تیل والا واقعہ کیسے ہوا تھا؟'' انھوں نے کہا: ''میں دعوت دے رہا تھا، اس ہندو نے مجھے طعنہ دیا کہ تو کہتا ہے اللہ سے ہوتا ہے، چیزوں سے نہیں ہوتا تو اس میں ہاتھ ڈال نا!'' میں نے پوچھا: ''پھر آپ نے کیا کیا؟'' کہنے لگے: ''میں نے ہاتھ ڈال دیا، جب باہر نکالا تو صحیح سالم تھا، کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔''

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جو تبلیغ کی اصلی ترتیب ہے وہ چار مہینے لگانے کے بعد پھر بیعت ہوکر تفصیلی سلوک سے گزرنا ضروری ہے۔ محنت اور ہمت والے لوگ تو کرتے ہیں۔ بلال صاحب حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے جو مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور اس وقت تبلیغ کے امیر تھے۔ ہمارا بھی ۱۹۶۹ء میں ان سے بیعت کا تعلق قائم ہوا۔ مجھ سے بلال صاحب نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب کیا حال ہے آپ کے دوسرے دوست ڈاکٹر سلیم کا؟ وہ کدھر گیا؟'' میں نے کہا: ''جی وہ تو ایران چلا گیا جہاں نہ اذان کی آواز نہ جماعت کی نماز، سارے فضائل سے محروم ہوگیا۔'' بلال صاحب کہنے لگے: ''نہیں بھائی! ایسی جگہ تو جب آدمی اذان دے کر

نماز پڑھتا ہے تو اس کو پچاس نمازوں کا ثواب ہوتا ہے، مسجد والے کو تو ستائیس نمازوں کا ہوتا ہے پر اس کو پچاس کا ثواب ہوتا ہے۔'' تو ان کو حضرت جیؒ نے اس مشق پر ڈالا ہوا تھا کہ بدگمانی کی جگہ نیک گمان کی مشق کرو۔ تو انھوں نے فوراً نیک گمانی والا تذکرہ کیا کہ اس پہلو سے سوچنا چاہیئے۔ مولانا محمد احمد صاحب جو رائیونڈ میں بیان کیا کرتے ہیں ان کے ساتھ میرے تین سفر ہوئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ میں بستی نظام الدین میں ٹھہرا ہوا تھا اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ڈاکٹروں نے کہا ہوا تھا کہ آپ عصر کے بعد ذرا باہر نکل کر چلنا پھرنا کیا کریں، ذرا چہل قدمی ہو جائے کیونکہ صحت متاثر ہو رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت نکلے تو میں بھی ان کے ساتھ نکلا۔ دہلی کے تبلیغی مرکز میں ہماری حاضری ہوئی ہے، جس جگہ یہ مرکز ہے اسے اب نئی دہلی کہتے ہیں، اُس زمانے میں یہ بیابان تھا، مغلوں کے شکار کی جگہ تھی، وہ یہاں آیا کرتے تھے، ایک چھوٹی سی مسجد بھی انھوں نے بنائی تھی اور اس کے ساتھ مکان بھی تھا جس میں ٹھہرتے تھے اور بیابان میں شکار کرتے تھے۔ اس زمانے میں انھوں نے اپنے بڑے بڑے مقبرے اس جگہ بنائے ہوئے تھے، ان میں ایک مقبرۂ ہمایوں ہے، اس کے پاس سے جو ہم گزرے تو ایک بہت بڑی عمارت ہے۔ اتنی بڑی کہ اس میں ایک مسجد یا مدرسہ یا آٹھ دس غریب آدمیوں کے گھر بن سکتے تھے بجائے قبر پر تعمیر کرنے کے۔ مولانا محمد احمد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ''حضرت یہ دیکھیں مغلوں نے کیا بے وقوفیاں کی ہوئی ہیں جو اتنی تعمیرات کی ہیں۔'' حضرت نے فوراً کہا: ''بھائی اگر یہ پیسہ یہاں نہ لگتا اور معصیت میں لگتا تو پھر؟ معصیت سے تو بچا ہے نا!'' مزدوروں کی مزدوری تو لگی ہے نا، مٹیریل والوں کا مٹیریل بکا ہے، اتنے فوائد تو ہوئے ہیں، اس طرح حضرت نے فوراً بدگمانی کو نیک گمان کی طرف موڑ دیا۔

ضروری بات اس میں کہنی تھی کہ بیعت تو لوگ ہو جاتے ہیں پر کام نہیں کرتے ہیں۔ کام کیا ہے! ذکر اذکار کی ترتیب کو سیکھ کر، مراقبات کی ترتیب کو سیکھ کر، اس ترتیب پر عمل کرے اور مکمل کرے اور جلد از جلد مکمل کرے تب بات بنتی ہے۔ دوسرا یہ کہ جن رذائل کے بارے میں جتنی جتنی آگاہی ہو

رہی ہو اس کا شیخ کے آگے تذکرہ کرے اور ان کو دور کرنے کے لئے مشورہ کرے۔ دس رذائل کے ٹوٹنے کے بعد پھر دس ہی فضائل ہیں جن کا احیاء العلوم میں حضرت امام غزالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرہ کیا ہے، پھر ان کو حاصل کرنے کے لئے مشق کرنی ہے، دس مہینے کم از کم اس کے لئے ہوں۔ مشق سے یہ ہوتا ہے کہ اس بات کی طرف آدمی کا دھیان لگ جاتا ہے، ورنہ یہ مشق ہے تو ساری زندگی کی۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موت کے قریب نفس اور شیطان نے میرے ساتھ یہ ترتیب چلائی کہ میرے دل میں یہ وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ بڑے شیخ ہو، بہت بڑا مجمع آئے گا جنازے میں، بڑی شان بنے گی۔ گویا اس وقت بھی شیطان ریا پر ڈالنے کی ترکیب کر رہا تھا، کہ اس کی یہ نیت ہو جائے اور یہ فکر بن جائے کہ ایسا جنازہ ہو اور ایسے لوگ آئے ہوئے ہوں تو اس وقت اس پر ہمارا وار کامیاب ہو جائے گا۔ اس لئے کوشش تو مرنے تک ہے، یہ جو دس مہینے رذائل کو دور کرنے اور دس مہینے فضائل کو حاصل کرنے میں اور ذکر اذکار کا نصاب مکمل کرنے میں لگا لے آدمی تو فن کے طور پر یہ چیز اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس لئے کتاب ''اصلاحِ نفس'' میں اس بات کو میں نے لکھا ہے کہ تصوف آدھا فن ہے اور آدھا فضل ہے۔ فن کے طور پر مشق کراتے کراتے ہم آدمی کو یہ بات سکھا دیتے ہیں کہ اس کو ہر وقت یہ دھیان ہو کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اللہ حاضر ناظر ہے، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور اللہ میرے ساتھ ہے، مراقبات اور اذکار سے یہ ہو جاتا ہے۔ پھر جب قبولیت ہو جائے تو وہ فضل ہے۔ اس کے بعد نسبت ہے۔ ہمارے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ ایک لڑکے نے کہا کہ بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور آدھا کام ہو گیا ہے، بس آدھا باقی ہے۔ پوچھا کیا آدھا کام ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں بالکل تیار ہوں، بس وہ تیار ہو جائے تو باقی آدھا بھی ہو جائے۔ فَاذْكُرُونِي (مجھے یاد کرو) تو مشق کرنے سے ہو جاتا ہے، پھر جب آگے سے اَذْكُرْكُمْ (میں، یعنی اللہ، تمہیں یاد کروں گا) ہو جائے تو پھر بات بنتی ہے، کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ پھر من جانب اللہ اس کے ساتھ اللہ پاک کی

طرف سے تعلق کا القاء ہوجاتا ہے، بات تب بنتی ہے۔

فن کے طور پر یہ چیز ہاتھ میں آجاتی ہے، پھراس دھیان کو، جو کہ دس مہینے رذائل کو توڑنے اور دس مہینے فضائل کو حاصل کرنے کی مشق کرنے سے حاصل ہوا، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، موقع بہ موقع، کام کرتے، ملتے ملاتے، معاشرے میں جہاں جہاں رذائل وفضائل کی باتیں سامنے آتی رہیں گی آدمی کوشش کرتا رہے گا تو اس سے بالآخر یہ باتیں پکے طور پر حاصل ہوجاتی ہیں جسے کہتے ہیں راسخ ہوجانا، تو باطن میں حال راسخ ہوجاتا ہے، پکا ہوجاتا ہے۔ جس طرح آدمی سائیکل سیکھ رہا ہو تو کبھی ادھر گرتا ہے کبھی ادھر، لیکن جب توازن حاصل ہوجائے تو پھر نہیں گرتا، خطرہ پھر بھی ہوتا ہے لیکن عموماً نہیں گرتا۔ مجھے جس استاذ نے سائیکل سکھایا ہے اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب بہت پیدل پھرتے ہو تبلیغ کے کام میں، سائیکل چلانا سیکھ لو، بڑا فائدہ ہوگا۔ میں نے کہا سکھا دو۔ اس زمانے میں گاڑیوں کا رواج نہیں ہوتا تھا۔ پوری پشاور یونیورسٹی میں کل دس بارہ گاڑیاں تھیں۔ وہ مجھے لے گیا اور آدھا پونا گھنٹا سکھاتا رہا، میں بہت تنگ ہوا پر اس نے کہا ذرا صبر کرو، ہو رہا ہے، اس کا خیال تھا کہ میں اس کو ایک ہی مجلس میں توازن تک پہنچادوں گا اور واقعی اس نے ایک ہی مشق میں مجھے توازن تک پہنچا دیا۔ اس نے اس طرح کیا کہ مجھے کہا کہ آپ چلائیں گے اور میں نے پیچھے سے پکڑا ہوا ہوگا اور فکر نہ کریں، آپ کو میں گرنے نہیں دوں گا۔ اب میں چلا رہا تھا کہ اتنے میں اس نے آواز دی کہ میں نے تو آپ کو چھوڑا ہوا ہے، آپ خود چلا رہے ہیں۔ جوں اس نے یہ بات کہی، میں گرنے کو ہوا، جونہی قلابازی لی تو میں نے زور لگایا اور توازن برقرار ہوگیا اور اس نے کہا: ''چلو ڈاکٹر صاحب توازن حاصل ہوگیا۔'' اس وقت میں باقاعدہ خیبر میڈیکل کالج کے ٹیچنگ سٹاف میں تھا۔ بارہ سال میں نے یونیورسٹی میں سائیکل چلائی ہے، بچوں کو سکول لانا لے جانا، سودا سلف لانا، سائیکل پر آٹے کی بوری رکھ کر لے جانا، بڑا مزا آیا، گاڑی کا اتنا مزا نہیں آیا جتنا اس وقت سائیکل کا آیا ہے۔ اب تو اللہ نے گاڑی چلانے سے بھی معذور کردیا۔ آخر چلنے پھرنے سے بھی معذوری ہوجائے گی۔

آپ نے کام کرنے کی نیت کی تو دس رذائل کو توڑنے کے لئے دس مہینے ہیں، دس فضائل کو حاصل کرنے کے لئے دس مہینے ہیں اور اپنے حالات کو لکھ کر اور ذکر کا نصاب جلدی پورا کرنا ہے۔ میجر لطیف صاحب! آپ کے بیعت ہوئے پچیس سال ہوئے ہیں تو ان پچیس سالوں میں آپ نے پچیس اصلاحی خط بھی نہیں لکھے، بلکہ دو بھی نہیں لکھے۔ کچھ عرصہ پہلے اس مضمون کو میں نے بار بار بیان کیا کہ جو آدمی معصیت میں مبتلا ہے اور اپنی معصیت کا تذکرہ نہیں کرتا اور اصلاح نہیں لیتا تو یہ اپنے ساتھ بھی خیانت کر رہا ہے اور سلسلے کے ساتھ بھی خیانت کر رہا ہے اور اللہ کے ساتھ بھی خیانت کر رہا ہے کیونکہ آپ کو اصلاح کی ترتیب اللہ نے دی ہوئی ہے اور آپ پھر بھی گناہ میں مبتلا ہیں اور آپ تذکرہ ہی نہیں کرتے ہیں اور اس کی اصلاح کی ترتیب ہی نہیں پوچھتے تو یہ وقت ضائع ہوا کہ نہ ہوا؟ خیانت ہوئی کہ نہ ہوئی؟ اس کے بعد کئی ساتھیوں کے خطوط آئے اور بڑی حیرت ہوئی کہ سال ہا سال سے چلنے والے اور ڈاڑھیاں رکھے ہوئے لوگوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ انٹرنیٹ پر ہم سے گُو کھانا ہو جاتا ہے۔ کل ہی عشاء کی تعلیم میں حضرت تھانویؒ کے وعظ میں یہ بات آئی کہ مریدوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ شیخ کو کشف ہوتا ہے اور یہ خود ہی ہمارے عیب بتایا کرے اور ہماری اصلاح کیا کرے تو اللہ پاک نے بھی کہا ہے کہ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ. اللہ پاک سے زیادہ غیب کا علم کس کا ہے، سارے انسانوں کی ضرورتوں پر ساری دعاؤں پر آگاہ ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے اُدْعُوْنِیْ یعنی بیان کرو، اپنا تذکرہ کرو، حاجتیں پیش کرو، دعا مانگو، اَسْتَجِبْ لَکُمْ تو میں قبول کروں گا، تو شیخ کے سامنے بولنا، اقرار کرنا کیا ضروری نہ ہوا! کشف تو کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں۔ پنجاب کا ایک آدمی حج پر گیا اور بیت اللہ شریف کے پاس دعا مانگ رہا تھا: ''یا اللہ تبارک وتعالیٰ! میں محمد بوٹا، چک نمبر گیارہ، فیصل آباد۔ یا اللہ میرے یہ یہ مطالبے ہیں۔'' کسی نے کہا کہ یہ کیا کہہ رہے ہو تو اس نے کہا: ''کتنے ہی محمد بوٹا آئے ہوئے ہیں، میں کم از کم کچھ بتا تو دوں اپنے بارے میں۔''

چمٹ چمٹ کر مانگیں، بلک بلک کر مانگیں یہاں تک کہ اللہ پاک قبول فرمائے۔

حضرت خیال محمد باباجیؒ کی یادیں

(مفتی ندیم احمد صاحب، تخصص فی الفقہ)

حضرت خیال محمد باباجی رحمۃ اللہ علیہ ۔آہ! ایک شفیق وکریم ظِل (سایہ)، جن کو ربِّ کریم نے بندہ جیسے کئی محتاجان پہ قائم رکھا ہوا تھا، مارچ ۲۰۱۵ء میں ہٹا دیا گیا۔ باباجی رحمۃ اللہ علیہ ہم سے چلے گئے اور اپنے مدفن کو آباد کر دیا اور اس یقینی فانی دنیا کی وقتی و عارضی مشقّتوں سے آخرت کی پہلی منزل یعنی قبر میں حقیقی آرام کیلئے روانہ ہو گئے۔کل تک ان کی بابرکت صحبتوں میں بے پناہ شفقتوں سے مستفید وفیض یاب ہونے والے آج راقم کی طرح ان کے نام کے ساتھ ''رحمہٗ اللہ'' لکھنے کو رہ گئے۔ یا رب! کس قدر جاں گداز ہے یہ سب۔۔۔مگر باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ جسمانی و روحانی پسماندگان کے لیے سوائے اِسکے کوئی چارہ نہیں کہ اس حادثۂ جانکاہ کو مولائے حکیم وحاکم کی مشیت مان کر یہی کہیں کہ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْن'' (ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔سورۃ البقرہ:۱۵۶) اور ''اِنَّمَا اَشْکُوا بَثِّی وَ حُزْنِی اِلَی اللّٰہ''۔(میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے۔سورۃ یوسف:۸۶)

۱۔

بندہ کی پہلی بار باباجی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات تقریباً دس سال قبل ۲۰۰۴ء کے اواخر میں مدرسہ جامعۃ النور، شنواری ٹاؤن، دلہ زاک روڈ میں ہوئی تھی۔ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کو بندہ کے شیخ ومربی سید مسرت حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھ ہمارے مدرسے لے کر آئے تھے۔ابھی باباجی رحمۃ اللہ علیہ پہنچے نہیں تھے کہ مدرسہ کے ایک فاضل ساتھی نے ازراہِ مزاح کہا:''بھائی ہمارے پاس ان خشک پیروں کو نہ لاؤ (مطلب جو چندہ یا مالی تعاون نہ کر سکتے ہوں) بلکہ کہیں سے صاحبِ ثروت بزرگوں کو لاؤ تا کہ مدرسہ کا بھی فائدہ ہو۔'' وہاں پر موجود مولانا اسحاق شاہ صاحبؒ (چھوٹا

لاہور والے) بہت خفا ہوئے اور فرمایا: ''ان صاحبِ حال بزرگوں کے حق میں یہ انتہائی گستاخی و بے ادبی ہے۔''

تھوڑی دیر بعد باباجی پہنچ گئے۔ بندہ خوشی سے حضرت مسرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ان کے جوتے لینے لپکا مگر انھوں نے فرمایا کہ ''مجھے چھوڑو، جاؤ باباجی کو پکڑو، ایسی ہستی کو لایا ہوں کہ ساری عمر یاد رکھو گے۔'' جیسے ہی اُن پہ نظر پڑی تو بلا شک ایک ''پاغوندہ'' شخصیت لگے۔ پاغوندہ پشتو زبان میں نرم روئی کو کہا جاتا ہے۔ اپنے عصا کے سہارے آہستہ آہستہ خود چل کر آئے۔ اس وقت صحت بہتر تھی۔ مگر سانس قدرے اُکھڑتی تھی۔ آپ نے تشریف رکھتے ہی فرمایا۔ ''بچو! سب ہاتھ اٹھاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔ اللہ ہی دینے والے ہیں۔ ہم تو خشک لوگ ہیں، بھلا ہم کسی کو کیا دے سکتے ہیں۔ یاد رکھو کہ مدرسے آنسوؤں سے چلتے ہیں، پیسوں سے نہیں۔ 'یَاوَھَّابُ' کثرت سے پڑھا کرو اور دعا مانگا کرو۔''

اپنے بائیں جانب بیٹھے اسحاق شاہ صاحبؒ (شاہ صاحبؒ کو اپنے سید ہونے میں کچھ تردد تھا) کا مصافحہ کے دوران ہاتھ پکڑ کر سونگھا اور فرمایا۔ ''واہ! ماشاء اللہ۔ آپ تو سید ہیں۔ آپ کی رگوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خون کی خوشبو آرہی ہے۔'' وہاں پر موجود سارے مجمع پہ رعب طاری ہو گیا اور وہ فاضل ساتھی بہت نادم دکھائی دیے۔

۲۔

سال ۲۰۰۸ء میں بندہ کی تیسری بیٹی کی پیدائش سے چند ہفتے قبل باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے تاکیداً فرمایا تھا کہ ''تم پر اللہ تعالیٰ جو فضل بھی فرمائیں مجھے جلد خبر کرنا۔'' جب بچی پیدا ہوئی تو مجھے یاد نہ رہا۔ ایک ماہ گزر گیا۔ باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے سختی سے ڈانٹ کر بلوایا اور حکماً فرمایا کہ ''میری بیٹی (یعنی بندہ کی اہلیہ) اور نواسی کو جلدی میرے پاس لاؤ۔'' بندہ اگلے اتوار کو صبح ۱۰ بجے تک بچیوں اور گھر والوں سمیت حاضرِ خدمت ہوا۔ اس وقت تک ہماری کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ ہم دونوں میاں

بیوی نے گھر سے آتے ہوئے یہ طے کیا تھا کہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کریں گے کہ ہم اپنی تینوں بچیوں پہ اپنے اللہ سے بہت راضی وخوش ہیں، بس آپ ان کے حق میں دعا فرما دیں کہ ان کے نصیب اچھے ہوں۔ہمیں اور کچھ نہیں چاہیئے۔ باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے نوزائیدہ بچی کو گود میں لیا اور خوب ہنسے کھیلے۔ پوچھا: ''کیا نام رکھا ہے؟'' عرض کیا: ''ایمن۔'' فرمایا: ''کس نے رکھا ہے؟'' عرض کیا کہ والد صاحب نے۔ فرمایا: ''صبر کرو'' اور خود مراقبے میں چلے گئے۔ کچھ دیر بعد سر مبارک اٹھایا اور فرمایا۔ ''جاؤ بابا! اس کا نام تو اوپر (لوحِ محفوظ میں) جمیلہ لکھا ہوا ہے۔''

باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور ہم نے اپنا وہ بچیوں سے متعلق عریضہ پیش کیا تو ان کے چہرے مبارک کا رنگ قدرے سرخ ہوا اور پھر فرمایا: ''ابھی تم دونوں کے سچ و جھوٹ کا پتہ چل جائیگا'' اور یہ فرماتے ہوئے اپنا سر مبارک جھکا دیا۔ اس طرف ہمارا برا حال ہونے لگا کہ نہ جانے کیا آشکارا ہو۔ اگر جھوٹے نکلے تو بڑی بے عزتی ہوگی۔ دل ہی دل میں ہم نے یَا تَوَّابُ اور یَا سَتَّارُ کا وِرد شروع کیا۔ باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے سر مبارک اُٹھایا اور فرمایا۔ ''جاؤ۔ تم دونوں سچ کہتے ہو، اور لو، آج میری بیٹی میرے گھر آئی ہے تو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا، جس طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کچھ نہ کچھ عنایت فرماتے۔ بیٹی! تم کو خلیل احمد بیٹا مبارک ہو۔ لوحِ محفوظ میں جمیلہ کے بعد خلیل احمد لکھا ہوا ہے اور یہ نام اس لیے پسند کیا ہے کہ یہ دو پیغمروں کے نام ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضور مبارک صلی اللہ علیہ وسلم، تو اس بچے میں دونوں انبیاء علیہم السلام کی نسبتیں ہوں گی انشاء اللہ۔''

خلیل احمد کی پیدائش پر باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حسبِ ارشاد حاضری ہوئی تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ تحنیک کے لیے عرض کرنے پر اول اپنی زبان مبارک چوسا دی اور پھر کھجور بھی اپنے لعاب مبارک سے تر کر کے دی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ وَارْحَمْہُ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتَہٗ وَنَوِّرْ قَبْرَہٗ وَاجْعَلْ جَنَّتَ مِثْوَاہ. آمین.

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۶۹)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب)

صوفیاء کا میدان احسان کا میدان ہے کہ دوحالتوں میں سے ایک حالت آدمی کو حاصل ہوجائے:

فرمایا کہ حدیثِ جبرائیل کا تذکرہ مدارس میں سرسری ہو جاتا ہے جبکہ صوفیائے کرام کی بحثوں میں اس کا ذکر عام ملتا ہے بلکہ راہِ سلوک میں حدیثِ جبرائیل ہی تصوف کی بنیاد اور اساس ہے۔حدیث کا مفہوم اس طرح سے ہے:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی زیادہ سیاہ تھے اور اُس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہیں ہو رہا تھا (جس سے یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے) اور ہم میں سے کوئی شخص اس نو وارد کو پہچانتا بھی نہ تھا (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی باہر کا آدمی ہے تو یہ حاضرین کے حلقہ میں سے گزرتا ہوا آیا) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر دوزانوں اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے ملادیے اور اپنے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیے اور کہا اے محمد! مجھے بتلائیے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ (دل وزبان سے) تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور ماہ رمضان کے روزے رکھو اور اگر حج بیت اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو۔اس نو وارد سائل نے آپ کا یہ جواب سن کر کہا کہ آپ نے سچ کہا۔راویٔ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور پھر خود تصدیق وتصویب بھی کرتا جاتا ہے۔اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا اب مجھے

بتلائیے کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں اور یومِ آخر یعنی روزِ قیامت کو حق جانو اور حق مانو اور ہر خیر وشر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو (یہ سن کر بھی) اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ اس کے بعد اُس شخص نے عرض کیا مجھے بتلائیے کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی تم اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر چہ تم اُس کو نہیں دیکھتے ہو پر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے۔ (حدیث آگے اور بھی ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کر کے یہ نو وارد شخص چلا گیا تو میں ٹھہرا رہا، حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمر! کیا تمہیں پتہ ہے وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا، میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جبرائیل تھے، تمہاری اس مجلس میں اس لئے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھا دیں۔

(صحیح مسلم، باب معرفۃ الایمان، والاسلام، والقدر جزء:۱، صفحہ ۳۶)

تو صوفیاء کا میدان احسان کا میدان ہے کہ دو حالتوں میں سے ایک حالت آدمی کو حاصل ہو جائے یا یہ کہ عبادت کرتے ہوئے یہ دھیان ہو کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں اور یا اگر یہ نہیں ہو سکتا تو کم از کم یہ دھیان ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔

نظامِ تعلیم کی اہمیت:

فرمایا کہ ۲۰۰۵ء میں بندہ نے برطانیہ کے ساتھیوں کی دعوت پر تین ہفتے ان کے ساتھ گزارے۔ برمنگھم کے قیام کے دوران مغرب تا عشاء بندہ کا بیان ہوا۔ اس کے بعد کچھ حضرات بندہ کے میزبان ڈاکٹر سلیم صاحب کے گھر تک ساتھ آ گئے۔ ایک تقریباً ۶۵ سال کی عمر کے صاحب نے فرمایا، اگر آپ اجازت دیں تو میں قرآن سنا دوں۔ اجازت کے بعد انہوں نے بہت درد سے کچھ آیتوں کی تلاوت کی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک رجسٹر دکھایا جس میں انہوں نے قرآنِ مجید کی آیتیں خوشخطی سے لکھی ہوئی تھیں، ساتھ ترجمہ بھی لکھا ہوا تھا۔ فرمایا یہ میرا آج کل مشغلہ ہے۔ یہ

صاحب بنیادی طور پر پاکستان کے رہنے والے تھے، ریاضی کے ریٹائرڈ پروفیسر تھے اور برطانیہ کے شہری ہوگئے تھے۔ انھوں نے عاجزانہ درخواست کی کہ آپ ہمارے گھر تک تشریف لے چلیں۔ بندہ نے عرض کیا کہ میرا تو سارا پروگرام میزبان کے حوالے ہے، ان سے بات کریں۔ میزبان سے بات ہوئی، انہوں نے کہا کل مغرب کا بیان ان کے گھر کے قریب ہے وہاں سے ان کے ہاں حاضر ہو جائیں گے۔

دوسرے دن جب حاضری ہوئی تو دیکھا کہ بہت اعلیٰ جگہ پر اچھا نفیس کروڑوں روپے کا مکان ہے جس میں کچن گارڈن یعنی گھر کی سبزیوں کا باغیچہ بھی تھا، ایسے ہی قسم ہا قسم کے پھولوں اور پھلوں کا باغیچہ، لیکن گھر بالکل خالی، صرف اہلیہ، وہ بھی پردہ میں تھیں۔ انھوں نے چائے بھیجی۔ محترم نے اپنے حالات بیان کرنا شروع کئے کہ ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھے۔ بیٹا بڑا ہوا، اس نے ایک عیسائی لڑکی سے شادی کر لی اور برطانیہ کے قانون کے مطابق علیحدہ ہو کر اپنی زندگی شروع کر دی۔ کہنے لگے اُس کا بیٹا پیدا ہوا، ہمیں خوشی ہوئی اور اُس کے گھر اپنے پوتے کو دیکھنے کے لئے پہنچے۔ اُس کی گھر والی نے چائے پلائی۔ کچھ دیر بعد کھانے کا وقت تھا۔ ہم دونوں بوڑھے بندے، بھوک لگ رہی تھی۔ اتنے میں ہماری بہو نے کہا: What is your programme? (آپ کا کیا ارادہ ہے؟) ہمیں محسوس ہوا کہ یہاں کھانے اور مزید ٹھہرنے کی درک نہیں ہے۔ گھر والی نے کہا کہ مجھے تو بھوک لگی ہے، الوداع کہو تا کہ باہر جا کر ہوٹل میں کھانا کھائیں۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ اس کے بعد ہم نے تہیہ کر لیا کہ بیٹے کے گھر کبھی نہیں جائیں گے۔ پروفیسر صاحب کی بیٹی کہاں چلی گئی؟ ازراہِ حیا ہم نے یہ سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔ بہر حال پروفیسر صاحب نے پریشان ہو کر کہا کہ غم اس بات کا ہے کہ ہماری موت کا کیا ہوگا؟ اس پر بندہ نے سوچا کہ موت کا بھی اور اس کے بعد مسلمان کی ملکیت یعنی پروفیسر صاحب کی کروڑوں کی جائیداد یا تو حکومتِ برطانیہ کو چلی جائے گی یا اس بیٹے بیٹی کو جو کہ پتہ نہیں مسلمان بھی ہیں یا نہیں۔ اگر مسلمان نہیں تو پھر تو مسلمان باپ کی جائیداد اُن کی میراث ہی

نہیں کیونکہ یہ شرعی مسئلہ ہے کہ کافر اولاد مسلمان ماں باپ کی جائیداد کی وارث نہیں ہوسکتی۔اس کے بعد پروفیسر صاحب نے پاکستان کے حالات، پاکستان کی کرپشن اور رشوت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ پاکستان بھی رہنے کے قابل نہیں۔ بندہ کو محسوس ہوا کہ اپنے برطانیہ میں رہنے کو حق بجانب (Justify) کرنے کے لیے ان باتوں سے اپنے آپ کو تسلی دے رہا ہے۔

یہ المیہ سارے مغربی ممالک میں ہے کہ اولاد والدین کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ یا تو مکمل حالتِ کفر میں ہو جاتی ہے یا کفر میں نہ ہو تو وہاں کی شراب، منشیات اور بدکاری کی قباحتوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

دراصل انسان گوشت، ہڈی چمڑے کا نام نہیں ہے۔ انسان تو اُس فکر، عقیدہ اور سوچ کا نام ہے جو اس کے اندر ہے۔ تھوڑا عرصہ ماں کی گود میں گزارنے کے بعد اِردگرد کا معاشرہ، نظامِ تعلیم اور ذرائع ابلاغ (Media) اس کی شخصیت کو بنا یا بگاڑ رہے ہوتے ہیں اور Roll and Mold کر رہے ہوتے ہیں۔ جب آدمی دسویں جماعت تک برطانوی یا کسی بھی غیر مسلم ملک کے نظامِ تعلیم سے گزر گیا تو اس کی شخصیت تو مکمل بن گئی اور انھوں نے اپنے طرزِ فکر اور اخلاق و عمل کے سانچے میں اس کو ڈھال دیا۔ اگر آپ نے بہت تیر مارا اور بیٹے کو مسجد میں ناظرہ قرآن پڑھا دیا تھا تو اس کو تو وہاں کے نظامِ تعلیم نے دھو کر صاف کر دیا۔ اب اس نوجوان کی سوچ اور طرز، ترجیحات اور مشاغل سب برطانوی ہیں۔ وہاں کے مقامی اہلِ علم اور تبلیغ والے حضرات کہتے ہیں کہ ایسے بچوں کو گھروں سے نہ نکالیں اور ان پر محنت کریں۔ ضرور محنت کریں لیکن جب سال دو سال، چار یا پانچ سال کی محنت نے کچھ فائدہ نہ دیا اور آدمی اپنے کفر پر جما رہا تو یہ تو آپ اپنے مالِ حلال سے کفر کو گھر پر پال رہے ہیں۔ اب جبکہ اس اولاد نے آپ کے بڑھاپے کا سہارا بھی نہیں بننا اور آپ کو اُٹھا کر اولڈ ایج ہوم (بوڑھوں کے سرکاری گھروں) میں ڈال دینا ہے تو پھر آپ سوچ لیں کہ آپ کس طرف بڑھ رہے ہیں۔ انسان کتا بلی تو نہیں ہے کہ سب سے مشکل کام اولاد کو پیدا کرنا، پالنا، پڑھانا

اور برسرِ روزگار کرنا ہے۔ پھر جب وہ بڑے ہو جائیں تو جس طرح کتے بلی کے بچے اپنی ماں کو کسی گلی کوچے میں سسک سسک کر مرنے کے لئے چھوڑ کر خود چلے جاتے ہیں یہ مغرب زدہ بچے بھی اپنے والدین کو بے سہارا چھوڑ دیں، کیا یہ بات قابلِ قبول ہوسکتی ہے اور کیا ایسا کرنا مبنی بر انصاف ہے؟ اور کیا آدمی اپنے سارے مال حال کو ایسی کافر اولاد کے لئے چھوڑ دے؟

اس پروفیسر صاحب کے بارے میں بندہ نے مقامی ساتھیوں سے کہا کہ ان سے کہیں کہ یہ اپنی جائیداد کسی مسلمانوں کی خدمت کرنے والے اِدارے کے لئے وقف کر دیں۔ لیکن یہ پابندی بندہ نے لگائی کہ اس کے بعد ان دونوں کو بڑھاپے کے عالم میں سنبھالنا آپ لوگوں کی ذمہ داری ہوگی۔

کافر ممالک میں اولاد کا مسئلہ حل کرنے کے دو نظام بندہ کے سامنے آئے۔ ایک تو جنوبی افریقہ میں بندہ نے دیکھا، یہ ملک برطانیہ کے برابر ترقی یافتہ ملک ہے لیکن وہاں کے مسلمانوں نے اپنے سکول قائم کئے ہیں جن میں حکومتی قانون کو پورا کرنے کے لئے باسٹھ تریسٹھ سالہ اُستانیاں بھی رکھی ہوئی ہیں اور وہ بھی ایسی جو محتاط، متقی اور صالح ہیں۔ باقی پورا نظام اسلامی رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان کے بچوں کی تربیت ایک مکمل اسلامی نظام میں ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امریکہ کے بعض ساتھیوں کے حالات سامنے آئے کہ انہوں نے حکومت سے اجازت لے کر میٹرک تک تعلیم اپنے گھروں میں ٹیوٹرز کے ذریعے دینے کا بندوبست کیا ہے اور میٹرک کا امتحان پرائیویٹ دلاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو مقامی نظامِ تعلیم میں داخل کرتے ہیں۔ جن ممالک کے مسلمانوں نے اپنے تعلیمی نظام کا بندوبست نہ کیا تو ان نقصانات سے بچنے کا اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

ملکۂ یاداشت یا نسبتِ یاداشت:

فرمایا کہ ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سیدھے سادھے مرید تھے، تبلیغ میں وقت لگایا ہوا تھا، ہاسٹل سے آتے جاتے تھے، شعبۂ اُردو کی ایک طالبہ اُس کے دل میں

سما گئی، اب اس کا جذبہ ہوا کہ اس کو دعوت دینی چاہئے تو وہ فضائل اعمال اور تسبیح کا ہدیہ لے کر گیا اور اُس سے بات کی۔ لڑکی بہت شریر تھی، اُس نے بھی اُس کی آؤ بھگت اور پذیرائی کی، جسے آپ لوگ کہتے ہیں لفٹ کروائی، بس چند ملاقاتوں میں آدمی پاگل ہو گیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''شیخ صیب یو تعویذ راتہ اولیکہ چہ دغہ جینۂ راتہ ملاؤشی'' (شیخ صاحب ایک تعویذ لکھ کر دو تا کہ یہ لڑکی مجھے مل جائے) حضرت صاحبؒ نے کچھ تعویذ لکھ کر دے دیا۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا: ''ڈاکٹر صیب د شیخ صیب تعویذ کار اوکو۔ شبِ جمعے لہ تلے ووم ھغہ جینۂ ھلتہ راغلے وہ او گیرہ کی ئے رالہ گوتے وہلے'' (ڈاکٹر صاحب! شیخ صاحب کے تعویذ نے کام کیا ہے۔ میں شبِ جمعہ (مردوں کا اجتماع) کے لئے گیا تھا وہاں وہ لڑکی آئی تھی اور میری داڑھی میں اُنگلیاں پھیر رہی تھی) تو جذبۂ محبت کی وجہ سے کسی کا خیال آدمی پر اتنا طاری ہو جاتا ہے کہ باقاعدہ متشکل ہو کر نظر آتا ہے۔ یہ انسان کے ساتھ ہو جاتا ہے لیکن وہ ذاتِ ذوالجلال جو ساری خوبصورتی اور سارے حسن کا منبع ہے اُس کی محبت میں کیا حال ہوتا ہوگا؟ تو صوفیائے کرام یہ محنت کراتے ہیں کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کے ساتھ ایسا تعلق ہو جائے کہ ہر وقت اُس کی موجودگی کا دھیان رہے اور یہ بات آدمی کو گناہ سے روک کر اعمال پر لگا دے۔ اس کو ملکۂ یادداشت یا نسبتِ یادداشت کہتے ہیں اور یہ بات آدمی کو تب ہی سمجھ آتی ہے جب اُس کو یہ بات حاصل ہو جائے۔

(جاری ھے)

اطلاع

پورے رمضان بالخصوص آخری عشرہ میں خانقاہ میں اعتکاف کا بندوبست ہوگا۔

کچھ حالات ملائشیا سے

(محمد مدثر خان، پی ایچ ڈی سکالر، ملائشیا)

پی ایچ ڈی میں داخلہ

مجھے ہزارہ یونیورسٹی نے ہائرایجوکیشن کمیشن کے فیکلٹی ڈویلپمنٹ پروگرام کے تحت سکال وظیفہ دے کر پی ایچ ڈی کے لئے ملائشیاء بھجوایا۔ یونیورسٹی کا انتخاب بندہ کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ بہرحال ایچ ای سی کی منظور کردہ ایک یونیورسٹی میں داخلہ لے کر روانہ ہو گیا جو وہاں پہنچ کر کسی بھی لحاظ سے میری توقعات پر پورا نہ اتری۔ وہاں سے دوسری یونیورسٹی میں داخلہ لینا اور ایک سٹوڈنٹ ویزہ کینسل کروانا کچھ آسان کام نہ تھا۔ خطرہ تھا کہ ایک بار Exit کر کے پھر Entry نہ کرنی پڑے۔ جس یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا اس نے تقریباً اٹھارہ ہزار رنگٹ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ شدید اضطراب اور غم طاری ہوا۔

حضرت جی دامت برکاتہم سے مسلسل رابطہ جہاں کہیں بھی ہوں میرا پرانا شیوہ رہا ہے۔ ان سے دعا کی بار بار درخواست اور ان کی خاص توجہ اور فکر نے تمام کٹھن اور مشکل حالات کا مقابلہ کرنے اور میری ڈوبتی ناؤ کو کنارے لگانے میں مدد دی۔ حضرت کو فکر کی یہ حالت تھی کہ واپس پاکستان آنے پر ایک سال کے بعد بعض سلسلے کے ساتھیوں نے پوچھا کہ کیا مسئلہ تھا کیونکہ حضرت جی بہت پریشان تھے اور خاص دعا کرواتے تھے۔ حتیٰ کہ سلسلے کے ایک ساتھی ڈاکٹر سمیع الحق صاحب ملائشیاء آتے ہوئے حضرت سے ملنے گئے تو آپ نے باوجود شہر اور یونیورسٹی کے علم نہ ہونے کے میرے حالات بیان کر کے رخصت فرمایا۔ اللہ کا کرنا کہ یہ پیر بھائی اسی یونیورسٹی اک طالب علم نکلا جہاں میں بھی داخلہ کا خواہش مند تھا۔ پھر سلسلے کی برکات کے اور بھی واضح مشاہدات ہوئے۔ حضرت جی دامت برکاتہم کی خواب میں کثرت سے زیارت ہونے لگی۔ جب غم وحزن شدید تر ہوا

کہ بیٹھے لیٹے چکر آنے لگے تو ایک رات حضرت ڈاکٹر صاحب آئے اور مجھے تین بار بوسے دیے۔ اس کے بعد میں اٹھا، نماز تہجد ادا کی، فجر پڑھی اور اس کے بعد دل کی کیفیت یکسر بدل گئی، مکمل حوصلہ پیدا ہوا اور باوجود جیب میں باقی چند سو ملائیشین روپوں کے اطمینانِ قلب نصیب ہوا۔ پچھلی یونیورسٹی سے آدھی سے زیادہ رقم واپس ہوئی۔ یہاں کی یونیورسٹی نے باوجود فیس کم ہونے کے چار سمیسٹر کی آدھی فیس معاف کی اور انتہائی اکرام والے حالات ہوئے۔

حضرت جی سے دور حضرت جی کی زیارت خواب میں بہت کثرت سے ہوتی ہے۔ یہ بات عجیب ہے۔

آتے ہیں خیالوں میں نگاہوں میں دلوں میں
پھر ہم سے یہ کہتے ہیں کہ ہم پردہ نشین ہیں
دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے
ہاتھ نکلے اپنے دونوں کام کے

یونیورسٹی، شہر اور دینی ماحول

جب اچھے رینک کی سرکاری یونیورسٹی میں تمام معاملات طے ہونے کے بعد ارد گرد کی خبر ہوئی تو پتا چلا حضرت مولانا عزیز الرحمان ہزاروی صاحب دامت برکاتہم کے متوسلین میں سے ایک صاحب محمود اشرف ملے۔ وہ باقاعدگی سے ہر روز عصر کے بعد یونیورسٹی کی جامع مسجد میں مجلس کا انعقاد کرتے تھے۔ حضرت جی دامت برکاتہم کی تربیت کی وجہ سے جہاں کہیں بھی اہلِ حق کے خیر کے سلاسل چاہے تبلیغی جماعت ہو یا تصوف کی مجلس ہو، ملیں تو ان کی تائید و نصرت کی توفیق ہو جاتی ہے۔ اس لئے باقاعدگی کے ساتھ اس مجلس میں جُڑ گیا۔ بھائی محمود اشرف کے جانے کے بعد اپنے اعمال اور ایمان کے بچاؤ کی فکر یوں پیدا ہوئی کہ حضرت جی دامت برکاتہم سے اکثر سنا ہے کہ ''انسان ماحول کا غلام ہے اور ماحول انسان خود بناتا ہے''۔ حضرت جی دامت برکاتہم سے بذریعہ فون مستقل

رابطہ رہنا کسی نعمت سے کم نہیں۔ ہاں بعض اوقات حضرت کے آرام، نماز یا کلاس وغیرہ میں خلل کا اندیشہ وخدشہ ضرور رہتا جو باوجود کوشش کے بوجہ ٹائم زون کے فرق کے انضباط میں نہ تھا۔ آپ سے اس سلسلے میں مشورہ ہوا اور حکم ملا کی فوراً اپنی تعلیم کی مجلس شروع کی جائے جو کہ مسجد میں قائم کی گئی اور ابھی تک جاری وساری ہے۔ مجلس قائم کرنے کا خالصتاً مقصد وجذبہ اپنی اصلاح کے لئے ماحول کا قائم کرنا تھا اور فائدہ چونکہ مشاہدہ میں تھا ہی اس لئے سودمند ثابت ہوا۔

جس علاقے میں یہ یونیورسٹی قائم ہے نسبتاً دینی ذہن رکھنے والوں کا صوبہ ہے اور سنگاپور کی سرحد پر واقعہ ہے۔ ملائشیاء کی آبادی میں چینی اور ہندو (غیر مسلم آبادی) تناسب کے لحاظ سے چالیس فیصد ہے اور مسلمان ساٹھ فیصد ہیں۔ حکومت صرف مسلمانوں ہی کا آئینی حق ہے گو غیر مسلموں کو کافی حد تک آزادی حاصل ہے۔ ''مَلے نیشنل ایکٹ'' کے تحت تمام سرکاری ملازمتوں میں ملائشین مسلمانوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ البتہ چینی لوگوں نے کاروبارِ زندگی کے دیگر شعبوں کو اپنے کنٹرول میں لیا ہوا ہے اور ملائشیا کی مینوفیکچرنگ اور تجارت میں ترقی ان کے مرہونِ منت ہے۔ یونیورسٹی کے سینئر پروفیسر جو ۱۹۷۰ء کی دہائی میں دعوت وتبلیغ سے U.K/U.S.A میں منسلک ہوئے وہ جم کر تبلیغ کا کام کرنے میں مصروف ہیں۔ الحمدللہ ان میں سے اکثر کے ساتھ قریبی تعلق قائم ہوا اور وہ اپنے بچوں کی شادیوں تک میں اس بندۂ ناچیز کو دعوت دیتے رہے۔

انٹرنیشنل سٹوڈنٹ سوسائٹی پاکستان

ہماری یونیورسٹی میں کئی ممالک سے لوگ مختلف پروگراموں میں داخل ہیں۔ M.S/Ph.D سٹوڈنٹس کی تعداد چھ ہزار کے لگ بھگ ہے اور انڈر گریجوئیٹس کی تعداد پینتیس ہزار ہے۔ پاکستان ان چند قابلِ ذکر ممالک میں سے ہے جن کی سٹوڈنٹس یونین کو یونیورسٹی نے باقاعدہ رجسٹر کر رکھا ہے۔ موجودہ انٹرنیشل سٹوڈنٹس سوسائٹی پاکستان چیپٹر تقریباً ۲۱۰ طلبہ وطالبات پر مشتمل ایک منظّم کمیونٹی ہے۔ ہر سال باقاعدہ الیکشن ہو کر نئی کابینہ منتخب ہوتی ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے اکثر

کابینہ اور صدور کسی خاص صوبے کی نمائندگی کرتے رہے ہے۔ اس بار صدر کے امیدوار خیبر پختون خواہ اور میرے گاؤں سے تھے کو میں نے مشورہ دیا کہ پینل اس لحاظ سے تشکیل دیا جائے کہ صوبائیت / علاقائیت کی بو سے پاک ہو۔ الحمدللہ اس نے عمل کیا اور ایک کثیر الملکی تنظیم وجود میں آ گئی۔

مجھے غیر منتخب پوسٹ ''ڈائریکٹر اکیڈیمکس'' کی دی گئی جس کا میں نے بھرپور استعمال کیا۔ سالانہ سیرت کانفرنس کی انتظامی حیثیت سٹیج سیکٹری شپ کی صورت میں مجھے تفویض کر دی گئی۔ یونیورسٹی کے سلطان سکندر ہال میں پاکستانی طلبا و طالبات اور ان کے بیوی بچوں نے پروگرام کا آغاز حضرت جی دامت برکاتہم کے سیرت پر مبنی ایک مکمل بیان کی صورت میں سنا۔ تقریباً تیرہ چودہ سال کے غزالی رسالوں سے سیرتِ مطہرہ پر نادر واقعات نے تو شرکاء کو مسحور کر کے رکھ دیا جس کا ثبوت بریلوی، اہلِ حدیث حتیٰ کے ماڈرن سیکولر طبقے کے افراد نے اپنے اپنے تبصروں کی شکل میں پروگرام کے بعد کیا۔

دوسرا اہم موقع یومِ پاکستان کی صورت میں تھا۔ یہاں پھر حضرت جی دامت برکاتہم سے فون پر بات ہوئی اور انھوں نے حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریکِ پاکستان میں نمایاں خدمات کو شامل تقریب کرنے کی ہدایت و مشورہ دیا۔ اس پر میں نے باقاعدہ دوقومی نظریے کے مضامین کی چھان بین کر کے خوب تیاری کے ساتھ علمائے پاکستان اور تحریک پاکستان میں ان کا روشن کردار سمیت موجودہ فوجی ترقیات اور ایٹمی صلاحیت کو خالص اسلامی جذبے کا محرک گردانا اور خوب سیر حاصل بیان کیا۔ مزید یہ کہ حضرت جی کے کہے ہوئے اشعار نے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو بھی گرما دیا۔ ان دو پروگراموں کے بعد بعض پاکستانی حضرات جو وہاں بطور فیکلٹی کام کر رہے ہیں نے ہمارے پریزیڈنٹ صاحب سے مل کر پروگراموں کی ترتیب پر خاص تعریف کی۔

اساتذۂ کرام اور ان کی طبیعت کا خاصہ

تمام فیکلٹی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی سادگی پسند ہے۔ فُل پروفیسر تک کا

کوئی اردلی نہیں۔ سب اُٹھ کر خود ہی پانی چائے وغیرہ کا بندوبست کر لیتے ہیں۔ میرے سپروائزر فیکلٹی کے ڈین رہ چکے ہیں اور آج کل یونیورسٹی کے انتہائی اہم اور تقریباً خود مختار ادارہ کے ڈائریکٹر ہیں مگر نہ کوئی سرکاری گاڑی ہے نہ ڈرائیور۔ یہی حال یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا ہے۔ وائس چانسلر صاحب باجماعت نماز جامع مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ کافی عرصہ تک تو ہمیں پتا ہی نہ چلا کہ یہ ہمارے وائس چانسلر صاحب ہیں۔ باقی اساتذہ کا طرزِ عمل بھی ایسا ہی ہے (ورنہ اگر ہمارے ہاں وی سی صاحب مسجد میں آئیں تو اتنے حضرات آگے پیچھے ہونے کی کوشش کرتے ہیں کہ فوراً پتا چل جاتا ہے کہ کوئی بڑا آدمی یا شخصیت ہے)

خواتین اساتذہ بھی دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں سے پڑھ کر آئی ہیں مگر اپنے روایتی باحیاء لباس زیبِ تن کرنے پر ہی فخر محسوس کرتی ہیں۔

ایک قابلِ ذکر عادت جو مرد و خواتین دونوں میں یکساں دیکھی اور تمام فیکلٹیز کے اساتذہ میں یہ عادت مشترک ہے کہ جب بھی ان کی کسی سٹوڈنٹ، چاہے مرد ہو یا عورت، کے ساتھ کام کے بارے میں میٹنگ ہوتی ہے تو یہ اپنے دفتر کا دروازہ کھلا رکھتے ہیں۔ اگر شاگرد اپنے پیچھے دروازہ بند بھی کر لے تب بھی یہ خود اُٹھ کر اسے کھلا چھوڑنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

تحقیقی مقالہ کا دفاع (Synopsis Defence)

میرے سائناپسس ڈیفنس میں تین خواتین پروفیسرز بطور ممتحن تشریف لائیں۔ ایک چیئرپرسن اور باقی دو Examiners (ممتحنات)۔ مجھے پریزینٹیشن کی دعوت دینے سے قبل چیئرپرسن نے باقاعدہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص کی خود تلاوت کر کے دعا کروائی اور باقی سب نے اقتدا کی۔ حیرت ہوئی کہ یہ تمام خواتین و حضرات بھی تو یورپ کی بہترین درسگاہوں سے ڈگری لے کر آئے ہیں مگر دین کے ساتھ اس قدر لگاؤ کیونکر پیدا ہوا۔ وجہ اس کی یہ سامنے آئی کہ باوجود پرتگیزی (Dutch) کالونی رہنے کے ان لوگوں نے یکساں نظامِ تعلیم ابھی تک رائج رکھا ہوا ہے اور اسکول کی

سطح پر دینی تعلیم اور دینی اقدار یوں سکھائی جاتی ہیں کہ آخر تک مرد و زن کا عمل اس کی شہادت دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ ان حضرات مشائخ کے در پر پڑے رہنے سے ہی کام بنتا ہے کیونکہ دراصل ان کا در ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کے در کا پتا بتا تا ہے۔

اُدھر وہ در نہ کھولیں گے اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا

حکومت اپنی اپنی ہے کہیں ان کی کہیں اپنی

تیرے در کو چھوڑ کر میں بے نوا جاؤں کہاں

قہر ہو یا مہر ہو یا کچھ بھی ہو

ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار

جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

فضائلِ رمضان

ایک حدیث میں ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری اُمت یہ تمنا کرے کہ سارا سال رمضان ہے ہو جائے۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ سال بھر کے روزے رکھنے کا رے دارد (یعنی مشکل کام ہے) مگر رمضان المبارک کے ثواب کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگ اس کی تمنا کرنے لگیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ رمضان المبارک کے روزے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھنا دل کی کھوٹ اور وساوس کو دور کرتا ہے۔ آخر کوئی بات تو ہے کہ صحابۂ کرامؓ رمضان کے مہینے میں جہاد کے سفر میں باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار افطار کی اجازت فرما دینے کے روزہ کا اہتمام فرماتے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکماً منع فرمانا پڑا۔ (برکۃ العصر، قطبِ دوراں جناب حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

(قسط۔۲)

معاشرے کی اصلاح و بگاڑ پر مالی رویوں کے اثرات

(مولانا محمد طفیل صاحب، ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)

انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنا) اور اصلاح معاشرہ پر اس کے اثرات:

انفاق فی سبیل اللہ کے دو پہلو ہیں: ایک وجوبی (لازمی) اور دوسرا استحبابی (مستحب)۔ وجوبی پہلو کے دائرے میں زکوٰۃ، عشر، خراج، صدقۂ فطر، قربانی، میراث، کفالت کی بعض شقیں اور کفارات وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ استحبابی پہلو کا تعلق ایمان کی استعدادی حالت سے ہے۔ ایمان و یقین اور اللہ تعالیٰ سے محبت و تعلق میں جوں جوں ارتقا ہوتا ہے اسی حساب سے زائد از ضرورت مال و دولت کو معاشرہ کی اجتماعی بھلائی کے کاموں میں استعمال کرنے کا شعور بڑھتا جاتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے معاشرتی اصلاح کا طریق یہ ہے کہ مال کسی مصیبت کو دور کرنے، زیردستوں (محتاجوں) کی نگہداشت اور کسی عمومی مصلحت کی تکمیل میں صرف کیا جائے۔ اسلام نے اس مقصد کے حصول کیلئے جو نظام ہمیں دیا ہے، اس کا مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

معاشرتی اصلاح میں زکوٰۃ کا کردار

زکوٰۃ اسلام کے ارکانِ پنج گانہ میں سے ایک بنیادی رکن اور معاشرے کی مالی اصلاح کے لیے ایک وسیع ترمد ہے۔ قرآن کریم نے کئی مقامات پر اس فریضے کو ''نماز'' کے ساتھ ذکر کیا ہے، اسلام نے زکوٰۃ کا دائرہ چار اصنافِ مال میں بند کیا ہے۔ یعنی مویشی، فصلیں اور پھل، سونا چاندی اور سامان تجارت گو کہ اب معاملات کاغذی کرنسی سے سرانجام پاتے ہیں اس لئے زکوۃ نکالتے وقت ان کی قیمت کی تحدید چاندی کی قیمت و نصاب سے کی جائے گی۔

مویشی، سونا چاندی اور سامانِ تجارت جب بقدر نصاب ہوں تو سال گزرنے پر مخصوص حصہ دوسرے ضرورت مند افراد پر خرچ کرنا لازمی ہوگا جب کہ فصل و پھل کی زکوٰۃ بوقت کٹائی

واجب ہوگی۔ معاشرے کی مالی اصلاح میں زکوٰۃ کے کردار کا اندازہ درج ذیل نکات سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ اسلام میں مال داری کی حد بظاہر کم مقدار پر مبنی ہے جس کی وجہ سے زکوٰۃ دہندگان کے دائرے میں اکثر افراد داخل ہو جاتے ہیں۔ اس سے معاشرہ کے مالی بگاڑ کی اصلاح پر اسلام کی گہری توجہ اور ترکیز کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس سے عام واجب کی رعایت کے احساس میں عوامی قاعدہ کی تنظیم ہوتی ہے اور شعور و احساس پختگی کے ایسے مرحلے پر پہنچ جاتا ہے جہاں معاشرہ انفرادی سم رسیدگی سے محفوظ ہو کر اجتماعی نظام میں زندگی گزارنے کے قابل ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اجتماعی حقوق ایک عام انسانی رشتہ سے وابستہ کر دیے جاتے ہیں، اسکی طرف قرآن مجید نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (المعارج:۲۴،۲۵)

(ترجمہ) اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے اور محروم کا۔

۲۔ اسلامی معاشرہ کے اجتماعی تکافل کی ذمہ داری میں زکوٰۃ کے مستحکم کردار کا اندازہ اسی سے لگائیں کہ یہ اسلام کے بنیادی پانچ ارکان میں شامل ہے اور اسلام نے اسے نفس اور مال کی پاکیزگی کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس شعور و احساس کے تحت جب زکوٰۃ دہندہ زکوٰۃ دیتا ہے تو اس کے ذہن میں خدا کی بندگی کا تصور راسخ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں فطری جوش و دلچسپی کا مظاہرہ کرتا ہے جس سے اس کی روحانیت پر خوشگوار اثرات پڑتے ہیں، گویا یہ اسلام کے نصب العین (یعنی معرفت الٰہی و تعلق بندگی کی استواری) کا بنیادی مظہر ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ (التوبہ:۱۰۳)

(ترجمہ) ان کے مال میں زکوٰۃ لو اور اس کے ذریعے ان کو پاک اور بابرکت کرو اور دعا دو ان کو۔

۳۔ اجتماعی تکافل اور معاشرے کے بگاڑ کی اصلاح میں اس بنیادی کردار کے پیش نظر اس فریضے

کی ادائیگی میں سختی برتی گئی ہے۔ اگر کوئی فرد یا جماعت زکوٰۃ ادا نہ کرے تو حکومت وقت اس جرم پر اسے سزا دے گی اور اس سے بزور زکوٰۃ لی جائے گی۔

۴۔ اس کے کردار کا اندازہ اس حکم سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ فرض و واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتی اور اگر کسی سال اس کی ادائیگی میں کوتاہی برتی گئی تو آئندہ اس کا ادا کرنا ضروری ہو گا۔

۵۔ مزید براں اس فریضے میں کوتاہی پر اخروی سزا اور وعید بھی آئی ہے تاکہ اس کے فوائد و ثمرات کے حصول میں معاشرے کے اندر کسی بھی پہلو سے کوتاہی نہ برتی جائے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ.

(التوبہ: ۳۴۔۳۵)

جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو آپ دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے، جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ سو چکھو، جسے تم جمع کرتے تھے۔

۶۔ قرآن کریم نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف مقرر کر کے معاشرتی اصلاح کے لیے اس کا دائرہ خوب پھیلا دیا اور ان میں وجہِ استحقاق کی قدر مشترک ''ناداری'' اور افلاس کو بیان کیا تاکہ معاشرے میں کہتری کے شکار طبقات تک مال کی رسائی کا قانونی بندوبست ہو۔ اسلام نے مصارفِ زکوٰۃ میں اس پہلو کی خصوصی رعایت کی ہے کہ معاشرے میں افراد کی حفاظت و نگہبانی ہو تاکہ وہ اقتصادی اور انسانی ہر دو پہلو سے اپنی خدمات میں اضافہ کرتے رہیں۔

۷۔ قرآن کریم نے ان مصارف میں سے فقرا و مساکین کو بیان فرمایا ہے۔ علامہ ماوردیؒ لکھتے ہیں کہ فقرا و مساکین کو اس قدر دینا ضروری ہے کہ ان کی فقر و مسکنت ختم ہو جائے اور غنا کے کم از کم درجہ (یعنی غنائے شرعی سے قدرے کم درجہ) تک پہنچ جائیں تا کہ وہ عملی جدوجہد میں شریک ہو سکیں۔ (تفسیر ماوردی: ۲/۳۷۴)

اس میں اس امر کی نشاندہی ہے کہ یہ مقصود نہیں کہ غریب کو صرف کھانے پینے کی ضرورتیں فراہم کر دی جائیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ تجارت، صنعت اور زراعت کے ذریعے معاشرے کی ایک پیداوری اور نفع بخش قوت بنے اور اپنے دائرہ عمل میں اکتساب پر قادر ہو جائے۔ اسی کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں بھی راہنمائی ملتی ہے کہ میں اعراب کو بار بار صدقہ دیتا رہوں گا، خواہ ان میں ہر ایک کے پاس سو اونٹ ہو جائیں۔

(کتاب الاموال لابی عبید: ۵۶۵)

۸۔ ان مصارف میں ''الرقاب'' یعنی غلاموں اور قیدیوں اور ''غارمین'' یعنی قرض داروں کی خلاصی کو بطور مصرف ذکر کرنے سے بھی اس پہلو پر کافی روشنی پڑتی ہے، کیونکہ غلام کے مقومات ضائع ہو کر رہ جاتے ہیں اور وہ اپنے ارادہ و اختیار سے کچھ نہیں کر سکتا، اسی طرح قیدی بھی دشمن کے ہاتھوں مجبورِ محض بن جاتا ہے، لہٰذا ان کی آزادی کے لیے زکوٰۃ کی رقم لگانے کا حکم دے دیا تا کہ ان کی صلاحیتوں سے معاشرہ آزادانہ طور پر مستفید ہو۔ اگر اس صورت کو معطل رکھا جاتا تو معاشرے کے اقتصادیات میں فساد کا دائرہ یقیناً بڑھ جاتا۔ زکوٰۃ اس فساد کو ختم کرنے میں بنیادی کردار پیش کرتی ہے۔

۹۔ زکوٰۃ کا ایک مصرف 'غارم' ہے۔ غارم کی تعریف میں وہ شخص داخل ہے جس نے کوئی مالی بوجھ برداشت کر لیا ہو۔ یہ اس کی مروت و حق پروری کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے، شریعت نے اس کو زکوٰۃ کا مصرف بنا کر اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہیں کرم نوازی و حق پروری کی عقلی و معنوی صلاحیت

مرجھا نہ جائے۔ دوسری طرف یہ پہلو بھی پیش نظر ہے کہ وہ اس بوجھ سے خلاصی پا کر معاشرے میں ازسرنو صحت مند کردار کا حامل ہو جائے۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر غارم نے کسی نیکی اور اصلاح کے کام کے لئے مالی بوجھ برداشت کر لیا ہو تو اسے زکوٰۃ سے اس کا خرچ کیا ہوا مال دیا جائے گا، اگرچہ وہ غنی ہو۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸۴/۸)

کیونکہ اس طرح کے لوگ دراصل سماجی زندگی کے لیے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زکوٰۃ معاشرے میں مضبوط اقتصادی اور سماجی کرداروں کو زندہ رکھنے، ان کی حوصلہ افزائی اور نشو ونما میں کس قدر مؤثر اور نمایاں کردار ادا کرسکتی ہے۔

۱۰۔ زکوٰۃ کا ایک مصرف ''مؤلفۃ القلوب'' ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی توقع ہو، یا جن سے وقار اور دبدبہ میں اضافہ ہو، یا جو امت کے مصالح کو بروئے کار لائیں اور اس کی مدافعت کریں اور اس کے دشمن پر نظر رکھیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ یہ مصرف امت کے سیاسی واقتصادی مصالح میں زکوٰۃ کے کردار پر دلالت کرتا ہے اور یہ بات واضح کرتا ہے کہ اسلام نے کس طرح انسانی معاشرے کی ضروریات کا احاطہ کر کے ان کو اپنے دامن میں سمیٹا ہے، گو کہ جمہور فقہا کے ہاں اسلام کو سیاسی غلبہ ملنے کے بعد سے یہ مصرف قابل عمل نہیں رہا۔

زکوٰۃ کے دیگر مصارف میں بھی یہی پہلو پیش نظر ہے کہ معاشرے کے کمزور یا سماج کے لیے مفید بعض طبقات کا معاشی بوجھ برداشت کیا جائے، اس مختصر سے جائزے سے معاشرے کی اصلاح میں زکوٰۃ کے کردار پر اجمالی روشنی پڑتی ہے۔ نظامِ زکوٰۃ کے رواج ونفاذ سے معاشرے میں ضروریات کی فراوانی اور سہولت کی ارزانی یقینی ہے۔ اس نظام کے قیام کا مقصد لوگوں کے درمیان زندگی کو بلند کرنا، عام افراد کو آسائش وسہولت بہم پہنچانا اور ان کے درمیان اعتماد ومحبت کا رشتہ استوار کرنا بھی ہے اور یہ تبھی ممکن ہے کہ مال ودولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہے بلکہ معاشرے کے زیادہ سے زیادہ افراد کے ہاتھوں تک پہنچے اور ممکن حد تک ہر ایک کے پاس کچھ نہ کچھ سرمایہ موجود ہو

تاکہ افزائش اور بار آوری کا عمل تیز اور وسیع ہو سکے۔

صدقہ فطر و قربانی اور معاشرتی اصلاح میں ان کا کردار

انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے معاشرتی اصلاح کا دوسرا طریقہ صدقۂ فطر اور قربانی ہیں۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کو خوشی منانے کے لئے دو تہوار دیے ہیں، ایک عیدالفطر اور دوسرا عیدالاضحیٰ۔ پھر ان دونوں تہواروں میں اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں پر مالی وظائف رکھ دیے۔ عیدالفطر کی نماز سے پہلے ہر مالدار مسلمان پر اپنا اور اپنے زیرِ کفالت بعض افراد کا صدقۂ فطر دینا واجب قرار دیا ہے، اس کے لئے نصاب کا نامی ہونا اور سال گزرنا بھی شرط نہیں، لہٰذا اس کا دائرہ زکوٰۃ سے بھی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعے اجتماعی مسرت کے موقع پر زیادہ سے زیادہ مساوات پیدا کی جا سکتی ہے۔ صدقۂ فطر معاشرے کے ان غریب طبقات پر خرچ کیا جائے گا جن کے پاس ایسے مواقع پر خوشی کے اسباب اختیار کرنے کی وسعت و گنجائش یا تو ہوتی نہیں یا بہت محدود ہوتی ہے، تاکہ یہ طبقات احساس کمتری کا شکار نہ ہوں اور ان مقدس ایام میں اپنے اور اپنے بچوں کے کھانے پینے اور لباس کا مناسب بندوبست کر سکیں۔ اسی طرح عیدالاضحیٰ میں صاحبِ استطاعت مسلمانوں پر جانور کی قربانی واجب قرار دی گئی ہے، چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کے ایام ہیں تاکہ اس کے بندے گوشت کی پُر لطف غذا سے محظوظ ہوں، اس لئے صاحب ثروت لوگوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ معاشرے کے غریب و لاچار لوگوں کو اس خوشی میں اپنے ساتھ شریک کریں، تاکہ وہ اس قدر احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوں کہ انہیں زندگی کی جائز خوشیاں بھی نہ مل سکیں۔

معاشرتی اصلاح میں میراث کا کردار

انفاق کے ذریعے معاشرتی اصلاح کا تیسرا طریقہ ''تقسیمِ میراث'' کا قانون ہے۔ اسلام کا نظامِ وراثت مالی طور پر معاشرے کے استحکام، تکافلِ باہمی اور معاشی انصاف میں ایک بنیادی امتیاز رکھتا ہے۔ وراثت کی مرتکز تقسیم سے جو معاشرتی فسادات جنم لیتے ہیں اور جو معاشی

ناہمواری پیدا ہوتی ہے وہ اہلِ نظر پر واضح ہے۔ یورپ میں عام طور پر سب سے بڑے بیٹے کی جانشینی کا طریقہ رائج ہے جس میں سارا ترکہ بڑے بیٹے کو مل جاتا ہے اور باقی سب محروم رہ جاتے ہیں۔ بعض مقامات پر اگر مرنے والا چاہے تو کسی دوسرے شخص کے نام اپنے سارے ترکے کی وصیت کرسکتا ہے، یوں اسے مذکر اولاد کو بھی محروم کرنے کا حق ہے، اس طریقہ سے دولت سمٹتی چلی جاتی ہے اور متعدد معاشی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

اسلام نے تقسیمِ وراثت کا ایسا نظام بنایا ہے کہ تمام معاشی خرابیوں کا انسداد ہو جاتا ہے اور مرد، عورت اور بچوں کو ان کی معاشی ذمہ داریوں کے بقدر بھرپور حصہ مل جاتا ہے۔ اگر اس کو سوسائٹی میں عام طور پر رواج دے دیا جائے اور اس اہم قرآنی حکم کا معاشرتی سطح پر احیا ہو تو نہ اس سے سرمایہ دارانہ مزاج کی پذیرائی ہوگی اور نہ ہی افراد و اشخاص کے درمیان افلاس و فاقہ مستی کو فروغ ملے گا کیونکہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس سے مال و دولت ہر وقت گردش میں رہتی اور ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے ہاتھ میں پہنچتے رہنے کی وجہ سے کم وبیش ہر فرد کو فائدہ بخشتی رہتی ہے۔

معاشی کفالت میں اسلامی میراث کی چند خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ اسلام نے عورت کو بھی میراث میں شریک ٹھہرایا ہے۔

۲۔ چھوٹی بڑی اولاد کے حصص میں کوئی فرق نہیں برتا۔

۳۔ کسی وارث کے لیے اپنے حصۂ میراث کے علاوہ وصیتِ مال کی ممانعت کردی ہے۔

۴۔ مرنے والے کے لیے کسی وارث کو عاق کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔

۵۔ اپنے ورثا کے علاوہ ایک ثُلث ترکے کے بقدر معاشرے کے دیگر طبقات کے لئے بھی وصیت کرنے کی اجازت دی ہے۔ (اسلام کا نظام تقسیم دولت: ۲۲)

یہ تمام خصوصیات معاشرے کی مالی اصلاح اور لوگوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے میں ممد ومعاون بنتی ہیں۔

(جاری ہے)

تبصرۂ کتب

کتاب۔۔۔ مولانا سمیع الحق، حیات وخدمات

تالیف۔۔۔ مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب

تبصرہ۔۔۔ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم

جناب مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی طرف سے کتاب ''مولانا سمیع الحق، حیات و خدمات'' ملی۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے استاد جناب مولانا سمیع الحق صاحب کی زندگی کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے۔ جناب مولانا سمیع الحق صاحب کو دارالعلوم حقانیہ اور اپنے والد حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند کی چوٹی کی علمی، روحانی اور سیاسی شخصیات کی مجالست اور مصاحبت نصیب ہوئی۔ عرصۂ دراز تک درس وتدریس کی سعادت ملی اور نصف صدی سے زیادہ پاکستان کی سیاسی سرگرمیوں میں بھرپور کارکردگی کا موقع ملا۔ ایسی شخصیت کے حالات اور لکھنے والا قلم جناب مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کا! ایسا قلم جو کسی موضوع کو بھی شروع کرے تو اسے علمی دستاویز اور ادبی شہ پارہ بنا دیتا ہے۔ واقعی کتاب اس صدی کی اہم دستاویز ہے۔ پاکستان کے دینی، علمی اور سیاسی حالات کے بارے میں کوئی بھی ایم۔فل اور پی ایچ ڈی کا یونیورسٹیوں کا سکالر تحقیقات کرتے ہوئے اس کتاب سے بے نیاز نہیں ہو سکے گا اور اس کتاب کے حوالے اس کے تحقیقی مقالے (Thesis) کے لئے رونق کا ذریعہ بنیں گے۔

حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی نقشِ حیات کو پڑھ کر جیسے بندہ کا دل خوش ہوا ایسے ہی اس کتاب کا بھی تأثر محسوس کیا۔ اللہ اس کاوش کو قبول فرمائے۔

یادیں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

اِک مردِ قلندر دیکھا تھا اِک مردِ مجاہد دیکھا تھا
اس جیسا پھر نہ دیکھ سکے اس جیسا پھر نہ دیکھیں گے

یہ مردِ قلندر مردِ مجاہد حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ ان کا گاؤں بفہ بندہ کے گاؤں ڈھوڈیال سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ بندہ کے والد صاحب ان کے خاص دوست اور خادم تھے۔ حضرت والد صاحب بہت خوش الحان اور خوش بیان عالم تھے اس لئے آزادی کی تحریک میں حضرت ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ بھرپور کام کیا۔ پاکستان بننے کے بعد جب دوسری بار جمعیت علما کی تنظیم کی بات آئی تو سارے پاکستان کے علما نے متفقہ طور پر عارفِ زمان، قطبِ دوران حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ سے جماعت کا امیر بننے کی درخواست کی۔ انھوں نے اس شرط پر درخواست قبول کی کہ ناظمِ عمومی (جنرل سیکرٹری) مولانا غلام غوث ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ ہوں گے۔

حضرت ہزاروی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ساری عمر وزارتوں اور اقتدار کے حصول سے بالاتر ہو کر خالصتاً دین کے فروغ اور اعلائے کلمۃ اللہ (اللہ کی بات کا بلند ہونا) کے اصولوں کو سامنے رکھ کر کام کیا۔ مختلف منشوروں اور اِزموں والی جماعتوں کے علاوہ ان دینی جماعتوں، جن کے عقائد معیاری نہیں تھے اور جن کی ترتیبیں بدعتی تھیں، پر سخت تنقید کرتے رہے۔ جماعت کو کھرے اور خالص اسلامی عقائد اور اسلامی سیاست کے مطابق منظّم کیا۔ جماعت نے بغیر کسی کے ساتھ اتحاد کئے الیکشن لڑا اور دو صوبوں کی مخلوط حکومت حاصل کی، جس میں صوبہ سرحد کی وزارتِ اعلیٰ جمعیت کے حصے میں آئی۔ باطل کے ساتھ اتحاد کر کے اور سیٹ ایڈجسٹمنٹ کر کے الیکشن لڑنا ان کی کتاب میں ہی

نہیں تھا۔کبھی ایجنسیوں کا آلۂ کار بن کر کوئی تحریک نہیں چلائی۔پہلی دفعہ جب قومی اتحاد بنا اور مفتی محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں شامل ہونے کا فیصلہ کرلیا تو جمعیت کے ہفتہ وار اخبار ترجمانِ اسلام کا وہ خط میری نظروں کے سامنے ہے جس میں مولانا ہزاروی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا کہ اتحاد کی وجہ سے اس ہفتے میں جتنی تعداد لوگوں کی، ایک خاص دینی جماعت کا نام لے کر کہا کہ، اس میں شامل ہوئی ان کے عقائد کا بروز قیامت اللہ کے حضور کون جواب دے گا۔تحریکِ احرار اور تحریک ختمِ نبوت میں جان کی بازی لگا کر کام کیا۔

بندہ کو چار بار ان کی زیارت نصیب ہوئی اور دو بار بیان سننے کی سعادت ملی۔باوجود کم عمر ہونے کے پہلے بیان سے دو باتوں کا شدید جذبہ دل میں محسوس ہوا، ایک بغض فی اللہ (اللہ کے لئے باطل سے دشمنی) اور دوسرا شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا نعرہ فَکَّ کُلَّ نِظَامٍ (اللہ کے نظام کے مقابلے میں سب نظاموں کو دھڑام سے زمین پر گرا دو)۔موصوف ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقر اور عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوش و جذبہ کا عملی نمونہ تھے۔ان کے دورِ سیاست میں جمعیت نے کبھی تصویروں کا سہارا نہیں لیا۔جمعیت سارا سال درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، سیرت النبی ﷺ کے اصلاحی جلسے، بیعت کے سلاسل، تصوف کی اصلاحی مجالس اور ذکر کے حلقے چلاتی رہتی تھی۔الیکشن کے دنوں میں صرف ایک دورہ سیاسی ترتیب کا کرلیتی تھی اور عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی تھی۔

مُراقبۂ موت

تو نے منصب بھی اگر پایا تو کیا	گنجِ سیم و زر بھی ہاتھ آیا تو کیا
قصرِ عالی شاں بھی بنوایا تو کیا	دبدبہ بھی اپنا دکھلایا تو کیا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

(خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ)

مصلح کوئی تو ہونا چاہئے

(انتخاب: محمد سہیل ناصر قریشی، ڈیرہ اسماعیل خان، بشکریہ: 'غیرت مند جرأت مند دیوبند دیوبند')

میاں چنوں سے عبدالحکیم جاتے ہوئے راستے میں تلمبہ کا تاریخی شہر نظر آتا ہے۔ مؤرخین کے مطابق تلمبہ کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی حضرت انسان کی۔ اسے قبل مسیح میں توحید کے متوالے بادشاہ 'پرھلاد' کا پایہ تخت ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے اور ہندو مذہب کے ہیرو رام چندر جی، رام لچھمن جی اور ان کی بیوی سیتا کی میزبانی کا بھی۔

بس تلمبہ کے قریب سے گزرتی ہے تو ایک نہایت پرشکوہ عمارت نظر آتی ہے۔ یہ ہے مولانا طارق جمیل صاحب کا مدرسہ حسنات اور یہ عین اسی جگہ واقع ہے جہاں دس بارہ سال پہلے پاکستان کا سب سے بڑا اور قدیم بازارِ حسن تھا۔

اس خطے میں جسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کہتے ہیں، انگریز دور سے ہی تین بڑے بازارِ حسن قائم تھے، لاہور، ملتان اور تلمبہ۔ کراچی کی لی مارکیٹ اور نیپئر روڈ بہت بعد کی پیداوار ہیں۔

تلمبہ کا بازارِ حسن ۱۸۱۸ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے قائم کیا اور وسط پنجاب میں ہونے کی وجہ سے یہ مقبول خاص و عام تھا۔ سینما، تھیٹر اور ٹی وی کے دور سے پہلے یہاں کی رقاصائیں ملک کے کونے کونے میں اپنے فن کا جادو جگا کر تقریبات کا حسن دوبالا کرتی تھیں۔ پھر وقت بدلا اور رقص و موسیقی نے باقاعدہ انٹرٹینمنٹ انڈسٹری کا روپ اختیار کیا تو بازار بھی اس سے متاثر ہوئے۔ ان بازاروں کی اعلیٰ کوالٹی ترقی کرتے کرتے پہلے فنکار پھر آرٹسٹ اور بعد میں سیلیبریٹیز بن گئی اور بچا کھچا سامان طوائف کا لیبل لگا کر جسم فروشی کے دھندے سے وابستہ ہو گیا۔

تلمبہ کے بازارِ حسن کی شہرت ضرب المثل کا درجہ رکھتی تھی پنجاب میں دیہاتی عورتوں کی کوئی بھی لڑائی، ایک دوسرے کو "تلمبے دی کنجری" کہے بغیر آج بھی پھیکی سمجھی جاتی ہے۔

جو لوگ اپنے گھر کا کچرا باہر گلی میں پھینک کر نصف ایمان کے درجے پہ فائز ہو جاتے ہیں ان کے لیے یہ بازار قطعاً اس قابل نہ تھا کہ وہ اس کے بارے میں سوچ کر اپنا قیمتی وقت برباد کرتے۔ پھر ہمارے ہاں تو گندی نالیوں کی صفائی کے لیے بھی عموماً غیر مسلم ہی رکھے جاتے ہیں۔ نیک اور پارسا لوگ ایسی متعفن جگہوں سے منہ ڈھانک کر اور پائنچے چڑھا کر گزرتے ہیں اور بد خصلت صرف رات کے اندھیرے میں ادھر جھانکتے ہیں۔

طارق جمیل صاحب غالباً وہ پہلا شخص تھا جس نے دن کے اجالے میں اس بازار کا رخ کیا۔ شروع شروع میں مولانا کی یہ ''حرکت'' ان کے معتقدین کو بھی ناگوار گزری۔ بازار کے کرتا دھرتاؤں کو بھی اس پر اعتراض ہوا۔ لیکن مولانا کا استدلال یہ تھا کہ دین سیکھنا ہر اس شخص کا حق ہے جس نے کلمہ پڑھ رکھا ہے۔ بازار حسن سے تعلق رکھنے والے چونکہ مسلمان ہیں اس لیے انہیں اس نعمت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا ایک مدت تک چار سو گھروں پر مشتمل اس کنجر محلّہ میں جاتے اور ایک کونے میں بیٹھ کر درس قران دیتے رہے۔ آہستہ آہستہ پیشہ ور خواتین کی ایک معقول تعداد ان کا درس سننے آنے لگی۔ طارق جمیل صاحب انہیں میری بہنوں کہہ کر مخاطب کرتے اور نماز کا درس دیتے، اُمہات المؤمنین کے ایمان افروز واقعات بتاتے، صحابیات کے قصے سناتے اور کربلاء کی عفت مآب بیبیوں کا تذکرہ فرماتے۔

آخر ایک روز ایک عورت نے کہا:

''مولانا تم روز ہمیں درس تو دینے آجاتے ہو لیکن ہمیں اس کا فائدہ کیا ہے؟ اگر ہم اس گندے کام سے توبہ بھی کر لیں تو کیا یہ معاشرہ ہمیں قبول کر لے گا؟ لوگ تو ہمیں دیکھ کر تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتے؟ ہمیں اپنائے گا کون!''

مولانا نے کہا کہ رب پر توکل کرو، وہ فرماتا ہے، تم میری طرف چل کر آؤ، میں دوڑ کر

آؤں گا، تم ایک بار چل کر تو دیکھو، باقی رب پر چھوڑ دو تا کہ قیامت والے دن کوئی عذر تو ہو تمہارے پاس!

پھر مولانا نے یہ بات مختلف حلقوں میں چلائی، اس کارِ خیر کے لیے ملک کے دور دراز علاقوں میں خفیہ و اعلانیہ مہم چلائی، بہت سے نیک اور صالح نوجوان ان خواتین سے شادی کے لئے تیار ہو گئے ... اور آہستہ آہستہ ... پاکستان کے اس تیسرے بڑے بازارِ حسن کی آبادی گھٹنے لگی، کئی سال لگے، آخر ایک دن وہ بازار ویران ہو گیا اور طارق جمیل صاحب نے وہ جگہ خرید کر مدرسے کے لئے وقف کر دی۔

مجھے فخر ہے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا پندھرویں صدی کا امتی طارق جمیل جیسا ہے۔

نعرے بازی، احتجاج، کافر کافر، تبرا بازی تو سب کرتے ہیں۔ کاش! کوئی مصلح بھی ہو، جو اسی حکمت و بصیرت سے معاشرے کا گند صاف کرے جس طرح چودہ سو سال پہلے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدو کا گند صاف کیا تھا جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا۔

(صفحہ ۴۹ سے آگے)

معلوم کرنے کا شدید خواہش مند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دروازے پر جا پڑتا ہے۔

(نماز کی سب سے بڑی کتاب)

بعض مشائخ سے منقول ہے کہ بعد اس دعا پڑھنے کے باوضو قبلہ رو ہو کر سو رہے، اگر خواب میں سفیدی یا سبزی دیکھے تو سمجھ لے کر یہ کام اچھا ہے، کرنا چاہئے، اور اگر سیاہی یا سرخی دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ کام برا ہے، نہ کرنا چاہئے۔ (شامی)

اگر کسی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکتا ہو مثلاً عجلت کی وجہ سے یا عورت حیض و نفاس کے سبب سے تو صرف دعا پڑھ کر کام شروع کر دے۔ (طحطاوی وغیرہ)

مستحب ہے کہ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور درود شریف بھی پڑھ لیا جائے۔

(بحوالہ علم الفقہ) (جاری ہے)

نمازیں

(قسط۔۷)

(قاضی فضلِ واحد صاحب)

مسائل نمازِ تہجد

مسئلہ: تہجد کی نماز پڑھنا مستحب ہے مگر قاضی ثناء اللہ نے سنت مؤکدہ لکھا ہے۔

مسئلہ: فقہاء نے عام طور سے لکھا ہے کہ تہجد کی کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں ہیں۔مگر بعض روایات میں بارہ رکعات بھی وارد ہیں۔

مسئلہ: جو شخص تہجد پڑھنے کا عادی ہو اس کو بلا عذر ترک کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: مفتیٰ بہٖ قول کے مطابق دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ: ثلث اخیر (رات کا آخری تیسرا حصہ) میں نمازِ تہجد زیادہ افضل ہے۔

(بحوالہ فضائل تہجد مظفر حسین غفرلہٗ مظاہری)

وہ نوافل جن کا تعلق خاص حالات سے ہے

فرض نمازوں سے پہلے یا بعد میں پڑھے جانے والے نوافل اور اسی طرح تہجد اور اشراق وچاشت، یہ سب وہ ہیں جن کے اوقات متعین ہیں۔

لیکن کچھ نوافل وہ ہیں جن کا تعلق خاص اوقات سے نہیں بلکہ خاص حالات سے ہے، جیسے دوگانۂ وضو (جس کو عرف عام میں تحیۃ الوضو کہتے ہیں) یا تحیۃ المسجد، اسی طرح صلوٰۃ حاجت، صلوٰۃ توبہ اور نمازِ استخارہ وغیرہ۔ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی کوئی وقت معین نہیں ہے، بلکہ جس وقت بھی وہ حالات یا ضرورت پیش آئے جن سے نوافل کا تعلق ہے، یہ اسی وقت پڑھے جاتے ہیں۔

(معارف الحدیث)

تحیۃ الوضو

تحیۃ الوضو یہ ہے کہ جب کبھی وضو کریں تو دو رکعت نفل پڑھ لیا کریں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں جو مسلمان بھی اچھی طرح سے وضو کرے اور وضو کے بعد حضورِ قلب کے ساتھ دو رکعت نفل پڑھے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: تحیۃ الوضو اعضائے وضو کے خشک ہونے سے پہلے پہلے پڑھنی چاہیئے یہی اس کا وقت ہے۔

(بحوالہ محاسن اسلام فروری ۲۰۰۳ء)

وضو کے بعد اعضاء خشک ہونے سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھنا مستحب ہے۔

(بحوالہ نماز کی سب سے بڑی کتاب)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص وضو کرے اور ظاہر و باطن کے ساتھ ہو کر دو رکعت نماز پڑھے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

وضو کے جسم خشک ہونے سے پہلے دو رکعت نماز مستحب ہے۔ (درمختار، مراقی الفلاح)

اگر چار رکعتیں پڑھی جائیں تب بھی کچھ حرج نہیں اور کوئی فرض یا سنت وغیرہ پڑھ لی جائے تب بھی کافی ہے، ثواب مل جائے گا۔ (مراقی الفلاح)

نبی کریم ﷺ نے شب معراج میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے چلنے کی آواز اپنے آگے جنت میں سنی، صبح کو ان سے دریافت فرمایا کہ تم کون سا ایسا نیک کام کرتے ہو کہ کل میں نے تمہارے چلنے کی آواز جنت میں اپنے آگے سنی، بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب میں وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری)

غسل کے بعد دو رکعتیں مستحب ہیں۔ اس لئے کہ ہر غسل کے ساتھ وضو بھی ضرور ہو جاتا ہے۔

(ردالمختار بحوالہ علم الفقہ)

تحیۃ المسجد

تحیۃ المسجد یہ ہے کہ جب کوئی مسجد میں جائے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔

مسئلہ: اگر مسجد میں کئی مرتبہ جانے کا اتفاق ہو تو صرف ایک مرتبہ تحیۃ المسجد کافی ہے۔ خواہ پہلی مرتبہ پڑھ لے یا اخیر میں۔ (درمختار، شامی، بحوالہ علم الفقہ)

مسئلہ: اگر وضو مسجد میں جا کر کریں اور تحیۃ الوضو پڑھیں تو پھر تحیۃ المسجد کے نفل پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ (دونوں نیتیں ان دو رکعتوں میں ہو سکتی ہیں)

مسئلہ: اگر کوئی شخص مسجد جاتے ہی سنتیں پڑھنے لگا یا جماعت میں شریک ہو گیا تو اس کی تحیۃ المسجد اسی کے ضمن میں ادا ہو گئی۔ علیحدہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ (درمختار، شامی بحوالہ علم الفقہ بحوالہ محاسن اسلام)

افضل طریقہ یہ ہے: محلّہ کی مسجد میں دن رات میں ایک مرتبہ ضرور پڑھے۔ باقی مساجد میں جب بھی جائے مکروہ اوقات نہ ہوں تو پڑھے۔ (آداب المساجد مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

مکروہ اوقات: (طلوع آفتاب کے بعد ۸ منٹ / نصف النہار سے ۵ منٹ پہلے اور ۵ منٹ بعد اور غروب آفتاب) تو تحیۃ المسجد نہ پڑھے بلکہ تیسرا کلمہ چار مرتبہ پڑھے۔

(بحوالہ نماز کی سب سے بڑی کتاب)

فجر اور ظہر کی سنت مؤکدہ میں تحیۃ المسجد کی نیت بھی کر سکتے ہیں۔

(آسان نیکیاں، مفتی تقی عثمانی صاحب)

تحیۃ المسجد از احکام المسجد۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ تحیۃ المسجد نفل نماز ہے اور یہ نماز اس شخص کے لئے سنت ہے جو مسجد میں داخل ہو۔

۲۔ اس نماز سے مقصود مسجد کی تعظیم ہے جو درحقیقت خدا ہی کی تعظیم ہے اس لئے کہ مکان کی تعظیم صاحبِ مکان کے خیال سے ہوتی ہے پس غیرِ خدا کی تعظیم کسی طرح اس سے مقصود نہیں۔

۳۔ مسجد میں آنے کے بعد بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے بشرطیکہ کوئی مکروہ وقت نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں جایا کرے تو جب تک دو رکعت نماز نہ پڑھ لے نہ بیٹھے۔

۴۔ اگر مسجد میں کوئی شخص جا کر بیٹھ جائے اور اس کے بعد تحیۃ المسجد پڑھے تب بھی کوئی حرج نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ بیٹھنے سے پہلے پڑھ لے۔

۵۔ اگر مسجد میں کئی مرتبہ جانے کا اتفاق ہو تو صرف ایک مرتبہ تحیۃ المسجد پڑھ لینا کافی ہے، خواہ پہلی مرتبہ پڑھ لے یا اخیر میں۔

۶۔ تحیۃ المسجد میں دو رکعت کی کوئی تخصیص نہیں، اگر چار رکعت پڑھ لی جائیں تب بھی کچھ مضائقہ نہیں۔

۷۔ اگر مسجد میں آتے ہی کوئی فرض نماز پڑھی جائے یا اور کوئی سنت ادا کی جائے یا تحیۃ الوضو پڑھی جائے تو وہی فرض وسنت تحیہ المسجد کا بھی ثواب مل جائے گا اگرچہ اس میں تحیۃ المسجد کی نیت نہیں کی گئی۔

۸۔ اگر مکروہ وقت ہو مثلاً عصر کے بعد کا وقت یا فجر کا وقت شروع ہونے کے بعد کا وقت کہ اس وقت نفل نماز منع ہے تو چار مرتبہ ان کلمات کو پڑھ لے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَر اور اس کے بعد کوئی درود شریف پڑھ لے۔

۹۔ اس نماز کی نیت زبان سے پڑھنا ضروری نہیں اور پڑھ لے تو حرج بھی نہیں بلکہ بہتر ہے۔ نیت یہ ہے: نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ رَکْعَتَیِ تَحِیَّۃُ الْمَسْجِد یا اردو میں اس طرح پڑھ لے یا دل ہی میں سمجھ لے میں نے یہ ارادہ کیا کہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھوں۔

(بہشتی زیور)

صلوٰۃ الحاجۃ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق (یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو، کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو، بہرصورت) اس کو چاہئے کہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے، اس کے بعد دو رکعات نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد وثنا کرے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، پھر اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْاَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَآئِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَّا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

تشریح: یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی مومن کے لئے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور بظاہر جو کام بندوں کے ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں دراصل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں اور صلوٰۃ حاجت کا جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور معتمد ترین طریقہ ہے اور جن بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہے ان کا یہی تجربہ ہے اور انہوں نے صلوٰۃ حاجت کو خزائن الٰہیہ کی کنجی پایا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معمول اور دستور تھا کہ

جب کوئی فکر آپ ﷺ کو لاحق ہوتی اور کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے۔(سنن ابی داؤد)

تشریح: قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃ مشکلات اور مہمات میں ہمت و برداشت اور نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو۔

اس خداوندی تعلیم و ہدایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ ہر مشکل اور مہم میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور امت کو اس کا تفصیلی طریقہ آپ ﷺ نے وہ تعلیم فرمایا جو حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ والی اوپر کی حدیث میں مذکور ہوا۔(معارف الحدیث)

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بینائی عنایت فرمائے۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم صبر کرو تو بہت ثواب ہوگا، اگر کہو تو میں دعا کروں، انہوں نے خواہش کی کہ آپ ﷺ دعا فرمائیں، اس وقت آپ ﷺ نے ان کو یہ نماز تعلیم فرمائی۔(علم الفقہ)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک نابینا نے آنحضرت ﷺ کے حضور میں آکر عرض کیا: ’’یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھ کو اس مرض سے عافیت دے۔‘‘ حضور ﷺ نے فرمایا: ’’اگر تو چاہیے تو میں دعا کروں اور چاہے تو اپنی نابینائی پر صبر کر کہ تیرے حق میں بہتر ہے۔‘‘ اس نے عرض کیا: ’’آپ ﷺ دعا ہی فرما دیجئے۔‘‘ مگر حضور ﷺ نے دعا نہیں فرمائی بلکہ اسے وضو کے لئے حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدِ اِنِّیْ اَتَوَجَّہ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰنِی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ۔

(نسائی بحوالہ نماز کی سب سے بڑی کتاب حصہ دوم ص ۳۵۶)

نماز استخارہ

استخارہ کا مطلب ہے کسی معاملے میں خیر اور بھلائی طلب کرنا، یعنی روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے اپنے ہر جائز کام میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اللہ سے اس کام میں خیر، بھلائی اور رہنمائی کی طلب کرنا۔

نماز استخارہ سے مراد وہ نماز ہے کہ جب انسان کوئی غیر معمولی کام کرنے لگے یا کوئی مشکل امر پیش آجائے اور حصولِ مقصد کے لیے کوئی تدبیر کرنے کا ارادہ ہو یا کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں تذبذب ہو تو چونکہ عاجز انسان انجامِ کار سے واقف نہیں ہوتا کہ وہ مفید ہوگا یا غیر مفید، تو ایسے موقع پر طلبِ خیر کے لئے جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کو نمازِ استخارہ کہتے ہیں۔

استخارہ کا حکم: استخارہ کا حکم یہ ہے کہ جب انسان کسی کام کا قصد کرے یعنی ایسے کام کا ارادہ کرے جو مباح ہو اور اس کے کرنے نہ کرنے میں تردد ہو مثلاً سفر، تعمیرِ مکان، حصولِ معاش اور نکاح وغیرہ امور مباح ہیں تو استخارہ کرے۔

نمازِ استخارہ کا طریقہ: اس کا طریقہ یہ ہے کہ سوائے مکروہ اوقات کے جس وقت چاہے دو رکعت نماز نفل استخارہ کی نیت سے پڑھے اور ان میں جو کوئی سورۃ چاہے پڑھے اور بعض روایتوں میں قل یاایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد کا پڑھنا آیا ہے۔ چنانچہ احیاء العلوم میں بھی اسی طرح ہے اور اگلے علما سے یہی منقول ہے۔ پھر نہایت عجز و انکسار کے ساتھ یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَ اَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ فَاَسْاَلُکَ بِفَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرُ خَیْرٌلِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ

اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّلِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاَقْدِرْلِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ ارْضِنِیْ بِهٖ. (بخاری)

استخارہ سے عنداللہ جو بات بہتر ہوگی وہی دل میں جم جائے گی۔ ھٰذا الامر کی جگہ امر کا نام لے جس کے لئے استخارہ کررہا ہے۔

مثلاً سفر کے لئے استخارہ کرنا ہوتو ھٰذا السفر کہے اور نکاح کے لئے استخارہ کرنا ہوتو ھٰذا النکاح کہے، کسی چیز کی خرید وفروخت کے لئے کرنا ہوتو ھٰذا البیع کہے وعلیٰ ھذا القیاس۔

استخارہ کم سے کم دو ہفتے کرنا چاہیئے۔ اگر ہم اس طرح مشکل امور میں خدا تعالیٰ سے طلب خیر کریں تو کبھی ناکامی ونامرادی کا سامنا نہ ہو اور ہمارے دین ودنیا کے تمام کام درست اور انجام بخیر ہوں۔ (علم الفقہ)

استخارہ ایک مسنون عمل ہے: جس کا طریقہ اور دعا نبی ﷺ سے احادیث میں منقول ہے۔

اہمیت: رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہر کام سے پہلے اہمیت کے ساتھ استخارے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جب تم میں سے کوئی شخص کسی بھی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ فرض نماز کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھے۔ (بخاری)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو تمام کاموں میں استخارہ اتنی اہمیت سے سکھاتے تھے جیسے قرآن مجید کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔ (ترمذی)

استخارہ نہ کرنا محرومی اور بدنصیبی ہے:

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے استخارہ کا چھوڑ دینا اور نہ کرنا انسان کے لئے بدبختی اور بدنصیبی میں شمار ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

انسان کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اپنے کاموں میں استخارہ کرے اور بد نصیبی یہ ہے کہ استخارہ کو چھوڑ بیٹھے۔ اور انسان کی خوش نصیبی اس میں ہے کہ اس کے بارے میں کئے گئے اللہ کے ہر فیصلے پر راضی رہے اور بد بختی یہ ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کرے۔

استخارہ کا نتیجہ اور مقبول ہونے کی علامت:

استخارہ سے کس طرح رہنمائی ملے گی؟ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ استخارہ کا صرف اتنا اثر ہوتا ہے کہ جس کام میں تردد اور شک ہو کہ یوں کرنا بہتر ہے یا یوں، یا یہ کرنا بہتر ہے یا نہیں۔

استخارے کے مسنون عمل سے دو فائدے ہوتے ہیں:

۱۔ دل کا کسی ایک بات پر مطمئن ہو جانا

۲۔ اور اس مصلحت کے اسباب میسر ہو جانا

تاہم اس میں خواب آنا ضروری نہیں۔ (اصلاحِ انقلابِ امت)

استخارہ میں صرف یکسوئی کا حاصل ہونا استخارہ کے مقبول ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے بعد اس کے مقتضیٰ پر عمل کرے۔ اگر کئی مرتبہ استخارہ کے بعد یکسوئی اور کسی ایک جانب اطمینان نہ ہو تو استخارہ کے ساتھ ساتھ استشارہ بھی کرے یعنی اس کام میں کسی سے مشورہ بھی لے، لیکن استخارہ میں ضروری نہیں کہ یکسوئی ہوا ہی کرے۔ (الکلام الحسن)

استخارہ کی حقیقت: بس استخارہ کی حقیقت اتنی سے ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگ لے، پھر آگے جو ہوگا اسی میں خیر ہے۔ کام ہو گیا تو خیر، نہیں ہوا تو خیر، دل جس طرف متوجہ ہو جائے اور جس کے اسباب پیدا ہو رہے ہوں یقین کر لیں کہ یہی میرے لئے بہتر ہے اور اگر دل کی توجہ ہٹ گئی یا اسباب پیدا نہیں ہوئے یا اسباب موجود تھے مگر استخارہ کے بعد ختم ہو گئے، کام نہیں ہو سکا، تو اطمینان

رکھے، اللہ پر یقین رکھے کہ اس میں میری بہتری ہوگی، اپنی طبیعت بہت چاہتی ہے مگر اللہ میرے نفع ونقصان کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

اس طرح سوچنے سے انشاء اللہ اطمینان ہوگا۔(بحوالہ ماہنامہ الحق جون ۲۰۰۹ء)

فرشتوں سے مشابہت: دوسری حکمت یہ کہ استخارہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان فرشتہ صفت بن جاتا ہے۔ استخارہ کرنے والا اپنی ذاتی رائے سے نکل جاتا ہے اور اپنی مرضی کو خدا کے تابع کرتا ہے۔ اس کی بہیمیت (حیوانیت) مَلکیت (فرشتہ صفت) کی تابع داری کرنے لگتی ہے اور وہ اپنا رخ پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دیتا ہے تو اس میں فرشتوں کی سی خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔

ملائکہ الہامِ ربانی کا انتظار کرتے ہیں اور جب ان کو الہام ہوتا ہے تو وہ داعیۂ ربانی سے اس معاملے میں اپنی پوری کوشش خرچ کرتے ہیں، ان میں کوئی داعیہ نفسانی نہیں ہوتا۔

(بحوالہ ماہنامہ الحق جون ۲۰۰۹ء)

استخارہ کی حکمت: حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں استخارہ کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) پہلی حکمت یہ کہ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کوئی اہم کام کرنا ہوتا مثلاً سفر یا نکاح یا کوئی بڑا سودا کرنا ہوتا تو وہ تیروں کے ذریعے فال نکالا کرتے تھے۔ سورۃ مائدہ آیت نمبر ۳ کے ذریعے ان کی حرمت نازل ہوئی (یعنی حرام ہوئے) اور حرمت کی دو وجہیں ہیں۔

۱۔ یہ ایک بے بنیاد عمل ہے اور محض اتفاق ہے۔

۲۔ اس طرح سے فال نکالنا اللہ تعالیٰ پر افتراء اور جھوٹا الزام ہے۔

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو فال کی جگہ استخارہ کی تعلیم دی ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جب بندہ ربِ علیم سے رہنمائی کی التجا کرتا ہے تو اپنے معاملے کو حوالے کر کے اللہ تعالیٰ کی مرضی

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

ہندوستان کا دوآبے کا علاقہ، جس میں دیوبند، نانوتہ، گنگوہ اور تھانہ بھون ہیں، کی اکثری آبادی اور زمینوں کی ملکیت فاروقی اور عثمانی خاندانوں کی ہے، جبکہ کاندھلہ کے علاقے کی آبادی اور زمینوں کی ملکیت صدیقی خاندانوں کی ہے۔ چنانچہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدیقی تھے۔ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ عثمانی تھے، جبکہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فاروقی تھے۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ میرے بعد اگر نبی ہوتا تو عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوتا۔ اس حدیث کے پیشِ نظر محققین نے کہا ہے کہ جتنے بھی مجدد آئے ہیں سب فاروقی خاندان سے ہوئے ہیں سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے جو کہ بنو امیہ ہیں لیکن وہ بھی والدہ کی طرف سے فاروقی ہیں کیونکہ ان کی والدہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں۔

ترکیہ کا الیکشن

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

ترکیہ کا الیکشن مکمل ہوا۔ ۴۸ فیصد سیٹیں لے کر ایک بار پھر رجب طیب اردگان کی جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی نے ثابت کر دیا کہ وہی ملک کی بڑی پارٹی ہیں کیونکہ دوسری پارٹیاں بیس فیصد کے لگ بھگ سیٹیں ہی حاصل کر سکیں۔ تاہم سادہ اکثریت نہ ہونے کی وجہ سے حکومت بنانے میں مشکل درپیش ہوگی کیونکہ مخالفین شاید ان کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت نہ بنائیں۔

الیکشن کے اس نتیجے پر اٹلی کی حکومت نے اعلان کیا کہ "صلاح الدین ایوبی کو روک دیا گیا"، جبکہ اسرائیل کے سابق صدر شمعون پیریز نے کہا کہ "یہ اسرائیل کی عظیم کامیابی ہے"۔